توسّل احکام اورانواع

از محدث العصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمۃ اللہ علیہ

توسّل اور اس کے دینی حکم کے بارے میں بڑا اضطراب و اِختلاف رہا ہے۔ کچھ اس کو حلال سمجھتے ہیں اور کچھ حرام ' کچھ کو بڑا غلو ہے اور کچھ متساہل ہیں۔ طویل صدیوں سے عام مسلمان اس کے عادی رہے ہیں کہ اپنی دعاؤں میں کچھ اس طرح کے الفاظ کہتے رہے ہیں۔ مثلاً

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ نَبِيِّکَ اَوْ بِجَاهِهٖ اَوْ بِقَدْرِهٖ عِنْدَکَ ، عَافِنِيْ وَاعْفُ عَنِّی ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ اَنْ تَغْفِرَلِیْ اَللّٰهُمَّ بِجَاهِ الْاَوْلِيَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ مِثْلَ فُلَانٍ وَ فُلَانٍ اَللّٰهُمَّ بِكَرَامَةِ رِجَالِ اللهِ عِنْدَکَ وَ بِجَاهِ مَنْ نَحْنُ فِیْ حَضْرَتِهٖ وَتَحْتَ مَدَدِهٖ فَرِّجِ الْهَمَّ عَنَّا وَ عَنِ الْمَهْمُوْمِيْنَ اَللّٰهُمَّ قَدْ بَسَطْنَا اِلَيْکَ اَكُفَّ الضَّرَاعَةِ ، مُتَوَسِّلِيْنَ اِلَيْکَ بِصَاحِبِ الْوَسِيْلَةِ وَالشَّفَاعَةِ اَنْ تَنْصُرَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ

'' اے اللہ تیرے نبی کے حق کے واسطے سے یا تیرے پاس ان کے مرتبہ اور عزت کے واسطے سے مجھ کو عافیت دے اور مجھ کو معاف فرما' اے اللہ بیت الحرام کے حق کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو تو بخش دے اے اللہ اولیاء اور صالحین مثلاً فلاں اور فلاں کے جاہ کے واسطے سے اے اللہ اللہ والوں کی تیرے پاس بزرگی کے واسطے سے اور ان لوگوں کے جاہ کے وسطے سے جن کی بارگاہ اور مدد کے تحت ہم ہیں، ہم سے اور غمزدہ لوگوں سے غم کو دُور فرما۔ اے اللہ ہم نے تیری طرف عاجزی کا ہاتھ پھیلایا ہے وسیلہ اور شفاعت والے کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر تو اِسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما۔ وغیرہ وغیرہ''

لوگ اسی کو وسیلہ کہتے ہیں اور دعوی بھی کرتے ہیں کہ یہی رائج اور مشروع ہے اور اس کے بارے میں بعض ایسی آیات اور احادیث بھی وارد ہیں جو اس کو ثابت اور مشروع کرتی ہیں بلکہ اسی وسیلہ کا حکم بھی دیتی ہیں اور ترغیب بھی۔

اور کچھ لوگوں نے تو اس وسیلہ کے مباح ہونے میں ایسا غلو کیا کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کی بعض ایسی مخلوقات کا وسیلہ بھی جائز قرار دے دیا جن کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ وقعت۔ مثلاً اولیاء کی قبریں' ان قبروں پر لگی ہوئیں لوہے کی جالیاں' قبر کی مٹی' پتھر

اور قبر کے قریب کا درخت ۔اس خیال سے کہ ''بڑے کا پڑوسی بھی بڑا ہوتا ہے''۔اور صاحب قبر کے لئے اللہ کا اکرام قبر کو بھی پہنچتا ہے' جس کی وجہ سے قبر کا وسیلہ بھی اللہ کے پاس درست ہو جاتا ہے۔یہی نہیں بلکہ بعض متاخرین نے تو غیر اللہ سے استغاثہ کو بھی جائز قرار دے دیا اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ بھی وسیلہ ہے' حالانکہ یہ خالص شرک ہے جو توحید کی بنیاد کی خلاف ہے۔

سوال یہ ہے کہ وسیلہ ہے کیا؟ اسکے انواع کیا ہیں؟ اور اس بارے میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ان کا معنیٰ کیا ہے ؟اور اِسلام میں وسیلہ کا صحیح حکم کیا ہے؟

توسُّل لغت اور قرآن میں

توسُّل لغت عرب میں:

اصل موضوع پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے میں پسند کرتا ہوں کہ اس خاص سبب پر توجہ دوں جس کی بنا پر عام لوگ وسیلہ کا معنی نہیں سمجھتے اور وسیلہ کو وسعت دے دیتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بھی داخل کر دیتے ہیں جو وسیلہ کے معنی میں نہیں آتیں اور ایسا محض اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ وسیلہ کا لغوی معنی نہیں سمجھتے اور اس کو اصل دلائل سے معلوم کرتے ہیں۔

''توسُّل'' خالص عربی لفظ ہے جو قرآن وسنّت اور کلام عرب میں شعر ونثر دونوں ہی طرح آیا ہے۔اور وسیلہ کا مطلب ہے ''مطلوب تک تقرب حاصل کرنا اور رغبت کے ساتھ اس تک پہنچنا۔(النہایہ)۔اَلْــوَاسِــلُ ، یعنی راغب'' وسیلہ ''یعنی'' قربت اور واسطہ'' اور جس کے ذریعہ کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کے ذریعہ قرب حاصل کیا جائے۔وسیلہ کی جمع وسائل ہے۔اور فیروزآبادی نے ''قاموس'' میں کہا وَسَّلَ اِلَی اللّٰہِ تَوَسِیلًا '' یعنی ایسا عمل کیا جس سے اس کا تقرب حاصل ہوا اور ابن فارس نے ''معجم المقائیس'' میں لکھا ہے۔اَلْوَسِیْلَۃُ الرَّغْبَۃُ وَالطَّلَبُ '' وَسَّل ۔کہا جاتا ہے جب آدمی کسی کی طرف رغبت کرے۔اور ''واسل'' کہتے ہیں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے کو۔لبید کہتا ہے ؎

اَرَی النَّاسَ لَا یَــدْرُوْنَ مَـا قَـدْرُ اَمْــرِھِمْ　　　بَـلٰـی کُـلُّ ذِیْ دِیْــنٍ اِلَـی اللّٰہِ وَاسِــلُ

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے کام کی قدر نہیں جانتے　　　ہاں بے شک ہر دیندار اللہ کی طرف راغب ہے

اور علامہ راغب اصفہانی نے ''المفردات'' میں کہا۔اَلْوَسِیْلَۃُ اَلتَّوَسُّلُ اِلَی الشَّیْئِ بِرَغْبَۃٍ (یعنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا) اور وسیلہ سے خاص ہے کیونکہ وہ رغبت کے معنی کو شامل ہے۔اللہ کا ارشاد ہے وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اور وسیلہ الی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ ''علم اور عبادت اور مکارم شریعت کی طلب کے ساتھ راہِ الٰہی کی رعایت کرنا۔'' اور وسیلہ 'قربت کی طرح ہے۔اور ''واسل'' راغب الی اللہ کو کہتے ہیں'' اور علامہ ابن جریر نے بھی اسی معنی کو نقل کیا ہے اور اس پر شاعر کا قول پیش کیا ہے ؎

اِذَا غَفَلَ الْوَاشُوْنَ عُدْنَا لَوَصْلَنَا　　　وَعَادَ التَّصَافِی بَیْنَنَا والْوَسَائِلُ

جب چغلی کھانے والے غافل ہو گئے تو ہم اپنے وصل کی طرف لوٹ پڑے اور ہمارے درمیان دوستی اور وسائل بھی لوٹے۔

اور وسیلہ کا ایک معنی یہاں اور بھی ہے اور وہ ہے ''بادشاہ کے پاس مرتبہ اور درجہ قربت۔'' جیسا کہ حدیث میں اس کو جنت کا سب سے اعلیٰ مقام کہا گیا ہے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے۔''جب تم مؤذن سے سنو تو کہو جیسے

موذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا' اللہ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو بندگان اللہ میں سے کسی ایک بندہ کیلئے بنایا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ لہٰذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے گا اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔'' (مسلم)

یہ آخری دو معنی وسیلہ کے اصلی معنی سے گہرا ربط رکھتے ہیں لیکن وہ ہماری اس بحث میں نہیں لئے جاسکتے۔

وسیلہ کا معنی قرآن میں:

توسُّل کا جو معنی میں نے گذشتہ صفحات میں بیان کیا ہے لغت میں وہی مشہور ومعروف ہے اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی ہے' اور سلف صالح اور ائمہ تفسیر نے بھی دونوں آیات کریمہ میں ''وسیلہ'' کی تعریف یہی کی ہے وہ دونوں آیتیں یہ ہیں۔

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: ''اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (المائدہ:۳۵)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ○ (الاسراء:۵۷)

ترجمہ: ''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ لوگ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہو جائے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے۔''

پہلی آیت کی تفسیر میں امام المفسرین الحافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الوَسِیْلَۃَ یَعْنِی اُطْلُبُوا الْقُرْبَۃَ اِلَیْہِ بِالْعَمَلِ بِمَا یَرْضَاہُ ○

ترجمہ: ''اللہ کی طرف عمل کے ذریعہ قربت حاصل کرو جس کو وہ پسند کرتا ہے۔''

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں وسیلہ کا معنی ''قربت'' کیا ہے اور یہی معنی مجاہد' ابووائل' حسن' عبداللہ بن کثیر' سدی اور ابن زید وغیرہ سے بھی نقل کیا ہے۔ **اور حافظ ابن کثیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ''وسیلہ'' کا معنی ''قربت'' ہے۔** اور قتادہ کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں وسیلہ کا مطلب ہے کہ ''اللہ کی

اطاعت اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرو۔" علامہ ابن کثیر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا جو مفہوم ان ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور وسیلہ وہی ہے جس کے ذریعہ حصول مقصود تک پہنچا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲، ۵۲، ۵۳)

رہی دوسری آیت تو صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے آیت کے معنی کی توضیح فرمائی ہے کہ "یہ عرب کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنوں کے ایک گروہ کی عبادت کرتی تھی۔ بعد میں جن مسلمان ہو گئے اور ان پجاریوں کو اس کا علم نہ ہوا۔"

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ انسان تو جنوں کی عبادت پر قائم رہے لیکن جن خود اس کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور وہ خود اپنے رب کا وسیلہ تلاش کر رہے تھے۔" آیت کی یہ تفسیر سب سے معتمد ہے۔

اس تفسیر میں اس بات کی صراحت ہے کہ وسیلہ سے مراد وہ عمل ہے جس سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اللہ نے اسی لئے لفظ "یَبْتَغُوْنَ" فرمایا، یعنی ایسے اعمال صالحہ تلاش کرتے ہیں جن سے وہ اللہ کا تقرب حاصل کر سکیں۔ نیز یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔۔ اس عجیب و غریب معاملے کی طرف جو ہر فکر سلیم کے مخالف ہے کہ کچھ لوگ اپنی عبادت اور دعا کے ذریعہ اللہ کے کچھ بندوں کی طرف متوجہ ہوں ان سے خوف کھائیں اور امید رکھیں، حالانکہ یہ عبادت گذار بندے جن کو معبود بنا دیا گیا تھا انہوں نے اپنے اِسلام کا اعلان کر دیا تھا اور اپنی عبودیت کا اللہ سے اقرار کیا اور ان اعمال صالحہ کے ذریعہ جن کو اللہ پسند کرتا ہے، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے آپس میں مسابقت کرنے لگے اور وہ رحمت اِلٰہی کے حریص ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس آیت میں ان جہلاء کی عقلوں کا مذاق اڑاتا ہے جو جنوں کے پرستار تھے اور ان کی پرستش پر ڈٹے ہوئے تھے جب کہ یہ جن خود مخلوق ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عبادت گذار ہیں اور ان انسانوں کی طرح کمزور ضعیف ہیں خود اپنے لئے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر تعجب کا اظہار فرماتا ہے کہ یہ آدم زاد اللہ واحد کی بندگی کیوں نہیں کرتے جو تنہا نفع و ضرر کا مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی تقدیر ہے اور وہی تمام اشیاء کا محافظ ہے۔

صرف اعمال صالحہ ہی تقرب اِلٰہی کا وسیلہ ہیں

نہایت عجیب بات ہے کہ بعض مدعیانِ علم نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے انبیاء کرام کی ذات ان کی حرمت' ان کے حق اور جاہ کے وسیلہ پر استدلال کیا ہے جب کہ یہ استدلال بالکل غلط اور دونوں آیتوں کا اس پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں' کیونکہ شرع سے یہ ثابت نہیں کہ یہ وسیلہ مرغوب ومشروع ہے۔ اسی لئے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی اس استدلال کا ذکر نہیں کیا ' نہ ہی کسی نے اس مذکورہ وسیلہ کو پسند کیا' بلکہ انہوں نے اس آیت سے جو کچھ بھی سمجھا بس وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ہر پسندیدہ عمل کے ذریعہ اور اس کی بارگاہ میں طاعت وبندگی پیش کرکے اور اس کی رضا کی تمام راہوں پر چل کر اس کا وسیلہ اور تقرب حاصل کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو دوسری آیات کے ذریعہ ہم کو تعلیم دے دی ہے کہ ہم جب بھی اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہیں تو اس کی جناب میں ان اعمال صالحہ کو پیش کریں جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور جن سے خوش ہوتا ہے۔ پھر اللہ نے ان اعمال کو ہماری عقل اور ہمارے ذوق پر نہیں چھوڑ دیا ورنہ بڑا اختلاف واضطراب اور تضاد وتخاصم پیدا ہوتا' بلکہ اس نے ہم کو پابند کردیا کہ اس معاملے میں ہم اسی کی طرف رجوع کریں اور اس بارے میں اسی کے اِرشاد وتعلیم کی پیروی کریں' کیونکہ اللہ کو کون سا عمل پسند ہے یہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اللہ کے قریب کرنے والے وسائل کو جاننے کے لئے ہر مسئلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ اسی کی تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ' كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ رَسُوْلِهٖ ○ (رواہ مالک وحاکم)

ترجمہ: ''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ تم کبھی گمراہ نہ ہوگے جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہوگے'' اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''

عمل صالح کب ہوتا ہے؟

کتاب وسُنّت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عمل جب صالح مقبول ہوگا تو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔اور عمل کے مقبول ہونے کے لئے دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے

اول:

یہ کہ عمل کرنے والے کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

دوم:

یہ کہ وہ اس طریقہ کے موافق ہو جو اللہ نے اپنی کتاب میں مشروع کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اس کا اپنی سُنّت میں بیان کیا ہو۔

ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی خراب ہوئی تو عمل نہ صالح ہوگا نہ مقبول۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلاً صَالِحاً وَّ لَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ؁ (سورۃ الکہف:۱۱۰)

ترجمہ:''جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

یہاں اللہ نے یہی حکم فرمایا کہ عمل صالح ہو یعنی سنت کے موافق ہو،پھر فرمایا کہ عمل کرنے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے وہ عمل کر رہا ہو،اس کے سوا کسی کی اس کو چاہت نہ ہو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مقبول عمل کے یہ دو رکن ہیں۔یعنی ضروری ہے کہ عمل اللہ کے لئے خالص ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بالکل ایسی ہی روایت ہے۔

دنیاوی اور شرعی وسائل

جب ہم یہ سمجھ گئے کہ وسیلہ وہ سبب ہے جو اطاعت کے ذریعہ مطلوب تک پہنچاتا ہے تو اب ہم کو جاننا چاہئے کہ وسیلہ کی دو قسم ہے۔

وسیلہ کونیہ، وسیلہ شرعیہ

وسیلہ کونیہ:

ہر اس طبعی وقدرتی سبب کو کہتے ہیں جو اپنی اس خلقت کی وجہ سے مقصود تک پہنچائے جس پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس فطرت کے ذریعہ جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کی ہے مطلوب حاصل کرادے۔اور یہ وسیلہ بلا تفریق مومن وکافر سب کے درمیان مشترک ہے۔جیسے پانی جو انسان کی پیاس بجھانے کا وسیلہ ہے، اور کھانا جو اس کے آسودہ ہونے کا ذریعہ ہے، اور لباس جو سردی اور گرمی سے بچانے کا ذریعہ ہے، اور گاڑی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ذریعہ ہے، وغیرہ

وسیلہ شرعیہ:

ہر اس سبب کو کہتے ہیں جو اس طریقہ سے مقصود تک پہنچائے جسے اللہ نے مشروع فرمایا ہے اور جس کو اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سُنّت میں بیان کردیا ہے، اور یہ وسیلہ صرف اس مومن کے ساتھ خاص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا پابند ہے۔

اس وسیلہ کی چند مثالیں یہ ہیں۔

اخلاص اور فہم کے ساتھ توحید ورسالت کی شہادت دینا۔یہ وسیلہ ہے جنت میں داخل ہونے کا اور جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات پانے کا۔ اور برائی کے بعد نیکی کرنا وسیلہ ہے گناہوں کی معافی کا، اور اذان کے بعد دعا ماثورہ کا پڑھنا نبی ﷺ کی شفاعت پانے کا وسیلہ ہے۔اور صلہ رحمی طول عمر اور وسعت رزق کا وسیلہ ہے۔وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے امور کی بابت ہم کو معلوم ہوگیا کہ یہ مقاصد اور غایات صرف شرعی طریقہ پر پورے کئے جاتے ہیں۔سائنس یا تجربہ یا حواس سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔یہ بات کہ صلہ رحمی عمر کو بڑھاتا ہے اور روزی میں وسعت پیدا کرتا ہے ہمیں اس کا علم صرف آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہوا۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَ اَنْ يُّنْسَأَ لَهُ فِيْ اِثْرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ○ (رواہ الشیخان)

ترجمہ: ''جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی اور عمر بڑھا دی جائے اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

اور اکثر لوگ ان دونوں ہی قسم کے وسیلوں کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور بہت ہی خراب تہمات کا شکار ہیں، اور سبب کونی بس اسی کو سمجھتے ہیں جو کسی معینہ مقصد کو حاصل کرا دے جب کہ معاملہ ان کے ظن کے خلاف ہوتا ہے۔ اس طرح کبھی کسی شرعی سبب کو محض اس لئے شرعی سمجھتے ہیں کہ اس سے کوئی شرعی مقصد حل ہو جاتا ہے حالانکہ حق ان کے معتقدات کے خلاف ہوتا ہے۔

ان وسائل باطلہ کی مثال جو بیک وقت شرعی اور کونی دونوں ہیں، وہ ہے جس کو دمشق کی ''شارع النصر'' پر گذرنے والا اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کچھ لوگ اپنے سامنے چھوٹے چھوٹے ٹیبل رکھے رہتے ہیں اور اس پر ایک چھوٹا جانور جو بڑے چوہے کی طرح ہوتا ہے، بیٹھا رہتا ہے اور اس کے آس پاس چھوٹے کارڈ پڑے رہتے ہیں جن میں لوگوں کے نصیبوں کی امیدوں سے متعلق عبارتیں لکھی رہتی ہیں جن کو جانور کا مالک لکھے رہتا ہے یا کچھ لوگ اپنے جہل اور خواہش کے مطابق لکھائے رہتے ہیں اور راستہ سے گذرتے ہوئے گہرے دوست آپس میں کہتے ہیں آؤ ذرا اپنی قسمت ملاحظہ کریں۔ پھر وہ چند پیسے اس آدمی کو دیتے ہیں اور وہ اس جانور کو دھکیلتا ہے کہ کوئی کارڈ اُٹھا لائے۔ جانور ایک ایک کارڈ اُٹھا کر ان کو دیتا ہے اور یہ اس کو پڑھ کر اپنے خیال کے مطابق اپنی قسمت کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔

آپ اس آدمی کی عقل رسائی دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک جانور کو اپنا معلم سمجھ رہا ہے اور وہ جانور اس کو اپنی قسمت بتا رہا ہے اور اس کی اپنی حیثیت جو اس کی نگاہ اور علم سے غائب تھی اس کو یہ جانور بتا رہا ہے ''اگر حقیقۃً وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ جانور غیب جانتا ہے تو پھر جانور اس سے بہتر ہوا۔ اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہیں رکھتا تو اس کا یہ سب فعل بیہودہ مذاق اور وقت اور مال کی بربادی ہے جس سے سمجھ دار لوگوں کو بچنا چاہئے۔ خود اس دھندے کو کرنا ہی فریب دہی، گمراہی اور لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانا ہے۔

بلاشبہ لوگوں کا اس حیوان کے پاس غیب جاننے کے لئے جانا ان کے نزدیک وسیلہ کونیہ ہے حالانکہ یہ سراسر غلط اور باطل ہے جس کو تجربہ نے غلط ثابت کر دیا ہے اور نظر سلیم اس کو رد کرتی ہے۔ یہ وسیلہ کونیہ نہیں وسیلہ خرافیہ ہے جو جہل اور دجل کی پیداوار ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بھی باطل ہے۔ کتاب وسُنّت اور اجماع اس کے خلاف ہے۔ اس کی مخالفت کے لئے تو بس

اللہ کا یہ قول ہی کافی ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ثناء بیان کی ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ اَحَدًا ا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ○ (الجن:۲۶)

ترجمہ: ''وہی غیب کا جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو اپنے غیب کی باتیں بتا دیتا ہے۔''

اور موہوم کونی اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بدھ کے دِن سفر کرتا یا شادی کرتا ہے تو سفر میں محروم رہتا ہے اور شادی میں ناکام۔ اور ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جو شخص کوئی اہم کام شروع کرے اور کسی اندھے کو دیکھ لے یا کسی مصیبت زدہ پر نظر پڑ جائے تو اس کا کام نہ تو پورا ہوتا ہے نہ ہی وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور انہیں سب اسباب سے آج کے اکثر مسلمان اور عرب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف اپنی بڑی تعداد سے اپنے یہودی اور سامراجی دشمنوں پر فتح پالیں گے اور وہ اپنی موجودہ وضع اور طور طریقے ہی سے یہودیوں کو سمندر میں پھینک دیں گے، اور تجربات نے اس قسم کے خیالات کے بطلان کو ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ اس سطحی طریقہ علاج سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

ان موہوم شرعی اسباب میں سے کچھ ایسے اسباب ہیں جن کو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ اسباب ان کو اللہ کے قریب کر دیں گے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں ان کو اللہ سے دور کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی اور غضب بلکہ لعنت اور عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً مردہ مدفون اولیاء وصالحین سے استغاثہ کرنا۔ وہ ان کی ایسی ضروریات پوری کر دیں کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ وہ ان اصحاب قبور سے اپنی تکلیف دور کرنے اور بیماری سے شفاء پانے کی درخواست کرتے ہیں، انہیں سے روزی مانگتے ہیں۔ بانجھ پن دُور کرنے کی فریادیں کرتے ہیں اور ان سے دشمن پر غلبہ چاہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر وہ قبروں کی آہنی جالیاں اور ان کے پتھر کو چھوتے، سہلاتے ہیں اور ان کو پکڑ کر ہلاتے ہیں، اور کاغذ پر لکھ کر ایسی درخواستیں لٹکاتے ہیں جن میں ان کی مرادیں اور خواہشات لکھی رہتی ہیں۔ بس ان کی نگاہ میں یہی سب شرعی وسیلے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ سب باطل ہیں اور اِس عظیم اسلام کے مخالف ہیں جن کی بنیاد ہی صرف اللہ واحد کی بندگی ہے اور عبادات کے تمام انواع وفروع میں صرف اللہ ہی کو خالص کرنا اس کی بنیادی تعلیم ہے۔

اور انہیں لغویات میں سے یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اس خبر کو سچ سمجھ لیتے ہیں جس کو بیان کرتے وقت بیان کرنے والے کو یا حاضرین میں سے کسی کو چھینک آجائے ❶

انہیں فاسد عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی دوست یا رشتہ داران کا ذکر خیر کرتا ہے تو ان کا کان بجنے ❷ لگتا ہے

اور یہ عقیدہ بھی کہ جب لوگ رات میں ناخن تراشیں یا سنیچر اور اتوار کو یا جب رات میں گھر صاف کریں تو ان پر بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

اور یہ عقیدہ بھی ❸ کہ جب لوگ کسی پتھر کے ساتھ بھی حسن ظن کر لیں اور اس پر عقیدہ رکھ لیں تو وہ ان کو نفع پہنچاتا ہے۔

اور یہ اس قسم کے فاسد عقائد جو خرافات اور ظنون واوہام ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی بلکہ ان کی اصل موضوع اور جھوٹی حدیثیں ہیں جن کے گھڑنے والوں پر اللہ لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے۔

وسائل کونیہ میں سے کچھ مباح ہیں جن کی اجازت اللہ نے دی ہے اور کچھ حرام ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ پچھلے صفحات میں ان دونوں انواع کے وسائل کا ذکر میں نے کر دیا ہے جن کو لوگ مباح اور مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اور اب میں بعض مشروع اور غیر مشروع کونی وسائل کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

---

❶ شاید اس عقیدہ کی بنیاد یہ حدیث ہو ''مَنْ حَدَّثَ حَدِيْثًا فَعَطِسَ عِنْدَهٗ فَهُوَ حَقٌّ '' حالانکہ یہ حدیث باطل ہے۔ علامہ شوکانی نے ''الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' میں اس کو بھی بیان کیا ہے اور میری کتاب ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' میں ۱۳۶ کے تحت اس کا مفصل بیان ملے گا۔

❷ اس گمراہ عقیدہ کی بنیاد یہ موضوع حدیث ہے ''جب تم میں سے کسی کا کان بجے تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو اللہ اس کو بھلائی سے یاد کرے جس نے مجھ کو یاد کیا۔ (الفوائد المجموعۃ للشوکانی ص۲۲۴)

❸ اس گمراہ کن عقیدہ کی بنیاد یہ ہے ''لَوْ اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ ظَنَّهٗ بِحَجَرٍ لَنَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ '' حافظ عجلونی نے اس کو ''کشف الخفاء'' ۱۵۲/۲ میں ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ''کذب'' کہا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں، اور صاحب المقاصد کا بیان ہے کہ ''یہ روایت صحیح نہیں'' اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہ ان بت پرستوں کا کلام ہے جو پتھروں کے ساتھ حسن عقیدت رکھتے ہیں۔''

وسیلہ کونیہ مشروعیہ کی ایک مثال ''کسب اور حصول رزق کے لئے بیع وشراء اور تجارت وزراعت'' وغیرہ بھی ہے۔
اور وسیلہ کونیہ محرمہ کی مثال حصول رزق کے لئے سودی قرض دینا بیع عینہ ذخیرہ اندوزی' خیانت' چوری' جوا' شراب اور مورتیوں کی تجارت ہے جس کی دلیل اللہ کا اِرشاد ''اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ''(اور اللہ نے تجارت حلال کی اور سود کو حرام کیا۔ سورۃ بقرہ: آیت ۲۱۵) ہے۔
تجارت اور سود دونوں ہی حصول رزق کے لئے سبب کونی ہیں لیکن اللہ نے اول کو حلال کیا اور دوسرے کو حرام۔

وسائل کی صحت اور مشروعیت معلوم کرنے کا طریقہ

وسائل کونیہ اور شرعیہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب وسُنّت کی طرف رجوع کیا جائے اور ان وسائل کے متعلق جو کچھ کتاب وسُنّت میں مذکور ہے ان پر ثابت قدم رہا جائے اور ان کے دلائل پر اچھی طرح غور وفکر کیا جائے۔ اس کے علاوہ وسائل کی معرفت کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔

اور وسائل کونیہ کی صحت کو جاننے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ معروف علمی طریقہ پر حواس اور تجربہ کے ذریعہ جانچ کی جائے اور نظر سلیم سے کام لیا جائے' لہٰذا کسی بھی سبب کونی کو استعمال کرنے کے جواز کی دو دلیلیں ہیں۔

اول یہ کہ وہ وسیلہ شرعًا مباح ہو۔

دوسرے یہ کہ مقصود کے لئے اس کا مفید ہونا ثابت ہو یا مفید ہونے کے لئے غالب گمان ہو۔

لیکن وسیلہ شرعیہ کے استعمال کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ شرع سے ثابت ہو۔ لہٰذا گذشتہ مثال میں جانور کو غیب جاننے کے لئے اپنے خیال کے مطابق وسیلہ بنانا دنیاوی اعتبار سے بھی باطل ہے' کیونکہ تجربہ اور نظر سلیم دونوں حیثیت سے وہ نا قابل اِعتبار اور شرعی حیثیت سے وہ کفر اور ضلال ہے۔ اللہ نے اس کے باطل ہونے کو واضح کر دیا ہے اور اس سے منع بھی فرمایا ہے۔

اور اکثر لوگ ان امور میں الجھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ذریعہ سے ذرا بھی فائدہ ہو جاتا ہے تو اس کو جائز شرعی وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ایسا ہوا ہے کہ کسی نے کسی ولی کو پکارا یا کسی مردہ سے استغاثہ کیا اور اس کا کام بن گیا۔ اور مراد پوری ہوگئی تو وہ اس کو دلیل بنا کر دعوی کرنے لگ جاتا ہے کہ مردے اور اولیاء لوگوں کی فریادرسی پر قادر ہیں اور ان کو پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا جائز ہے' اور اس کی دلیل صرف اتنی ہے۔ کہ اس کے ذریعہ اس مدعی کا کام بن گیا۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس طرح کی بہت سے باتیں ہم نے دینی کتابوں میں پڑھی ہیں جن میں لکھنے والا خود لکھتا ہے یا دوسروں سے نقل کرتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بڑی تکلیف میں پڑ گیا تو فلاں بزرگ یا مرد صالح سے استغاثہ کیا اور اس کا نام لے کر آواز دی تو وہ فوراً حاضر ہوگئے یا اس کے خواب میں تشریف لائے اور اس کی فریادرسی کی اور مراد پوری فرمائی۔

افسوس! یہ بے چارہ اور اس جیسے دوسرے لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اگر اس کا کہنا صحیح بھی ہو تو یہ مشرکین اور اہل بدعت

کے لئے اللہ کی طرف سے استدراج (ڈھیل دینا) اور آزمائش اور کتاب وسُنّت سے روگردانی اور اپنی خواہشات وشیاطین کی اتباع پر اس کی سزا ہے۔

جو شخص ایسی بات کہتا ہے وہ غیر اللہ سے استغاثہ کو جائز قرار دیتا ہے' حالانکہ یہ استغاثہ تو شرک اکبر ہے۔ یہ واقعہ اس کے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ کسی حادثہ کے سبب پیش آیا ہے اور ممکن ہے یہ حادثہ سرے سے بناوٹی ہو یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑا گیا ہو۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے واقعہ صحیح ہو اور اس کا راوی بھی سچا ہو لیکن اس سے یہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہو کہ بچانے والا اور فریاد پوری کرنے والا کون ہے؟ اس مسکین نے تو کسی ولی صالح کو فریاد رس سمجھا حقیقت میں وہ شیطان مردود تھا جس نے ایسا محض خباثت پھیلانے کے لئے کیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو بہکائے اور ان کو کفر وضلال کے جال میں اس طرح پھانس دے کہ لوگ اس مکر کو سمجھ پائیں یا نہ سمجھ پائیں۔ (لیکن اس کا مکر کام کر جائے۔)

اور روایات اس پر متفق ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین بتوں کے پاس آتے تھے اور ان کو پکارتے تھے۔ اس وقت وہ کچھ آواز سنتے تھے تو سمجھتے تھے کہ یہی بت جو ان کے خودساختہ معبود ہیں' ان سے بات کر رہے ہیں اور ان کی پکار کا جواب دے رہے ہیں جب کہ حقیقت یہ نہیں ہوتی تھی بلکہ شیطان لعین ان کو گمراہ کرنے اور انہیں ان کے باطل عقیدہ میں مزید غرق کرنے کے لئے یہ حرکتیں کیا کرتا تھا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس بات کو سمجھ پائیں کہ تجربے اور روایات اعمال دینیہ کی مشروعیت جاننے کا صحیح وسیلہ نہیں ہیں' بلکہ اس کے لئے واحد مقبول وسیلہ صرف یہ ہے کہ اس شریعت کو فیصلہ کن بنایا جائے جو کتاب وسُنّت میں نمائندہ حیثیت رکھتی ہے' اس کے سوا کچھ نہیں۔

اس سلسلے کی سب سے اہم بات جس میں اکثر لوگ خلط ملط کرتے ہیں وہ ہے طرق صوفیہ میں سے کسی طریقہ کے ذریعہ کسی غیب داں کے پاس جانا' جیسے کاہنوں' نجومیوں' منجمین' جادوگروں' اور شعبدہ بازوں کے پاس جانا' تم کو معلوم ہوگا کہ لوگ ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ غیب جانتے ہیں' کیونکہ انہوں نے ان کو کبھی بعض ایسی غیبی خبریں بتائی ہیں جو ان کے بتانے کے مطابق صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ بس اسی سے وہ ان کے پاس جانا اور اِن پر اعتقاد رکھنا جائز اور مباح سمجھنے لگتے ہیں' کیونکہ اس کے جواز کے لئے وہ اس بات کو دلیل سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو کہا تھا وہ درست نکلا۔ حالانکہ یہ بڑی زبردست خطا اور کھلی گمراہی ہے' کیونکہ کسی بھی واسطہ سے کچھ نفع کا حاصل ہو جانا اس واسطہ کی مشروعیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً شراب کی تجارت کبھی کبھی تاجر کو بے شمار نفع دیتی ہے اور اس کی دولت وثروت کا ذریعہ بن جاتی ہے' اور

ایسے ہی کبھی کبھی جوا اور لاٹری بھی۔اسی لئے اللہ نے فرمایا۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ○

ترجمہ: ''اور لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے بڑا نفع بھی لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔'' (بقرہ:۲۱۹)

ان میں نفع ہونے کے باوجود بھی شراب اور جوا دونوں ہی حرام، ملعون ہیں، اور شراب کے سلسلے میں دس افراد پر لعنت کی گئی ہے۔

اسی طرح کاہنوں کے پاس جانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سے منع اور تنبیہ دین میں ثابت ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے وہ حضرت محمد ﷺ پر اتاری گئی شریعت سے الگ ہے۔'' (ابوداؤد) نیز آپ کا یہ ارشاد ہے ''جو شخص کسی نجومی کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کی بابت سوال کرے تو چالیس دِن تک اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔'' (مسلم) اور معاویہ بن حکم السلمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ''ہم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا۔''تم ان کے پاس مت جاؤ۔'' (مسلم)

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کاہن اور جادوگر بعض غیبی باتیں کس طرح حاصل کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا ''جب اللہ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے فرمان اِلٰہی کی تابعداری میں اپنے پروں کو مارتے ہیں جیسے چٹان پر زنجیر۔(یہاں تک کہ جب ان کے دِل کی گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ کہتے ہیں حق، اور وہ بلند و کبریائی والا ہے)۔اس وقت اس بات کو شیاطین چوری سے سنتے ہیں اور ان سے دوسرے شیاطین سنتے ہیں۔اسی طرح ایک پر ایک سنتے جاتے ہیں۔اور سفیان بن عیینہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے اپنے ہاتھ سے شکل بنا کر بتایا اس طرح کہ انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلیوں کو کشادہ کیا اور ایک دوسرے پر کھڑی کر دیا۔کبھی ان کو شہاب ثاقب عین اس وقت پکڑ لیتا ہے کہ ابھی وہ اپنے ساتھی کو یہ خبریں بتائے بھی نہیں ہوتے اور پھر وہ انہیں جلا کر خاک کر دیتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے نیچے والے شیطان کو یہ خبر پہنچا دیتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے والے کو، یہاں تک کہ وہ زمین تک اس کو پہنچا دیتے ہیں پھر یہی خبر شیطان ان جادوگروں تک لے جاتے ہیں اور وہ اس میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔جب ایک سچی خبر کی تصدیق ہو جاتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ کیا اس شخص نے فلاں فلاں دِن یہ نہیں کہا تھا کہ ایسا ایسا ہوگا اور وہ خبر ہم نے سچی پائی۔(یعنی وہی بات جو آسمان سے سنی گئی تھی)۔(بخاری)

اور ایسے ہی دوسری حدیث میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ روشن ہوا۔ آپ نے پوچھا۔ ''جاہلیت میں جب ایسا ہوتا تھا تو آپ لوگ کیا کہتے تھے؟'' لوگوں نے کہا۔ ''ہم کہتے تھے کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا یا کوئی بڑا آدمی مرے گا۔'' تو آپ نے فرمایا ''یہ کسی کی موت یا زندگی کے لئے نہیں پھینکا جاتا' بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو عرشِ الٰہی کے اُٹھانے والے تسبیح کرتے ہیں' پھر اس آسمان والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں جو حاملین عرش کے قریب ہیں۔ اس طرح تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے' اور حاملین عرش کے قریب آسمان پر رہنے والے ان سے خبر دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو یہ ان کو بتاتے ہیں اور ہر آسمان والے دوسرے آسمان والوں کو بتاتے ہیں یہاں تک کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچتی ہے اور جنات کان لگا کر اچک لینے کی فکر میں رہتے ہیں جو خبر وہ اس طریقے پر لے آتے ہیں وہ تو سچی ہوتی ہے' لیکن وہ اس میں بڑھاتے اور ملاتے ہیں۔''

ان دونوں حدیثوں سے ہم جان گئے کہ جنوں اور انسانوں کے درمیان ملاپ ہوتا ہے اور جن ان کاہنوں کو بعض سچی خبریں بتاتے ہیں اور کاہن ان میں اپنی طرف سے دوسری خبریں ملا کر لوگوں سے بیان کرتے ہین اسی طرح لوگ کچھ سچی خبروں کی اطلاع پا جاتے ہیں' اور شارع حکیم علیہ السلام نے ان کاہنوں کے پاس جانے کی اور ان کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابھی اُوپر ہم لکھ آئے ہیں۔

اس موقع پر ہمیں یہ بات یاد دلانی ہے کہ کہانت اور علم نجوم وغیرہ کا اب بھی لوگوں پر بڑا اثر ہے' یہاں تک کہ ہمارے اس دور میں بھی جس کے متعلق یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ علم وشعور اور تمدن وتہذیب کا دور ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ کہانت' شعبدہ بازی اور جادو وغیرہ کا زمانہ چلا گیا اور اس کا زور ختم ہوگیا' لیکن جو شخص گہری نظر ڈالے گا اور جو حادثات آئے دن یہاں وہاں ہوتے رہتے ہیں ان سے باخبر ہوگا وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ یہ ابھی تک لوگوں پر مسلط ہیں' البتہ آج ان چیزوں نے نیا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور عصر حاضر کا رنگ وروپ دھار لیا ہے جس کی حقیقت کو بہت کم ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

رہا روحوں کو حاضر کرنا اور ان سے بات چیت کرنا اور مختلف طریقوں سے ان سے ملاپ کرنا تو یہ وہی جدید کہانت کی ایک شکل ہے جو آج لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے اور ان کو دین سے ہٹا کر اوہام واباطیل میں جکڑ رہی ہے اور لوگ اس کو علم اور دین ہی سمجھے بیٹھے ہیں جب کہ علم اور دین کا ان خرافات سے کوئی تعلق نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسباب کونیہ اور جس کے بارے میں سمجھا جائے کہ یہ اسباب شرعیہ ہیں تو ان کا اثبات اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا جواز شرع سے ثابت نہ ہوجائے۔ اسی طرح اسباب کونیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ تحقیق وتجربہ

سے اس کی صحت اور افادیت کو ثابت کیا جائے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس چیز کا وسیلہ کونیہ ثابت ہو جائے تو اس کے مباح ہونے اور استعمال کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ شریعت نے اس کو منع نہیں کیا ہے۔ ایسے ہی موقع پر فقہاء کہتے ہیں کہ: ''اشیاء میں اصل اباحت ہے۔'' لیکن وسائل شرعیہ کو استعمال کرنے کے جواز میں یہ بات کافی نہیں کہ شارع نے اس سے منع نہیں کیا ہے، جیسا کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ایسی نص شرعی کی ضرورت ہے جو اس کی مشروعیت اور استحباب کو ضروری قرار دیتی ہو۔ کیونکہ استحباب اباحت پر ایک زائد شئے ہے، اس سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور ایسی طاعات صرف عدم ممانعت سے ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی بنا پر بعض سلف کا کہنا ہے کہ ''جس عبادت کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہیں کیا وہ تم لوگ بھی مت کرو''۔ اور یہ بات ان احادیث سے اخذ ہوتی ہے جن میں دین میں نئی اِیجاد سے منع کیا گیا ہے۔ اسی اصول کے تحت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ''اصل عبادات میں منع ہے، البتہ کسی نص کے ذریعہ وہ چیز مباح ہوتی ہے، اور عادات میں اصل اباحت ہے، البتہ کسی نص کے ذریعہ وہ ممنوع ہوتی ہے۔'' یہ نہایت اہم اور بنیادی باتیں تھیں جنہیں یاد رکھنا چاہئے، کیونکہ اِختلافات کے موقع پر حق سمجھنے میں یہ مددگار رہوں گی۔

مشروع وسیلہ اُور اس کے اقسام

پچھلی بحث سے ہم نے یہ سمجھا کہ یہاں دو مستقل مسئلے ہیں! اول اس بات کا وجوب کہ وسیلہ شرعی ہو اور یہ کتاب وسُنّت کی صحیح دلیل کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرے یہ کہ وسیلہ سبب کونیہ کا ہو جس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم اس سے دعا مانگیں اور مدد چاہیں۔ اس کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ○ (سورہ غافر)

ترجمہ: ''تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہِ تکبر کتراتے ہیں عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔''

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○ (البقرہ:١٨٦)

ترجمہ: ''جب آپ سے میرے بندے میری بابت دریافت کریں تو کہہ دو میں تمہارے پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک رستہ پائیں۔''

اور اللہ عزوجل نے بہت سے مشروع وسیلے مقرر فرمائے ہیں جو مفید ہیں اور مراد کو پوری کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور ان وسائل کے ذریعہ جو شخص اللہ سے دعا کرے گا اللہ نے اس کی مقبولیت کا ذمہ لیا ہے' بشرط یہ کہ دعا کے دوسرے شرائط پورے ہوں۔ اس وقت ہم کو کسی تعصب اور سختی کے بغیر ان نصوص شرعیہ پر غور کرنا چاہئے جن سے وسیلہ کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن کریم اور سنت مطہرہ پر غور کرنے کے بعد تین قسم کے وسیلے کا پتہ چلتا ہے جنہیں اللہ نے مشروع فرمایا ہے اور ان کے استعمال کی ترغیب دلائی ہے ان میں سے کچھ تو قرآن میں موجود ہیں اور کچھ کو آنحضرت ﷺ نے اِستعمال کیا اور ہمیں ان کا حکم فرمایا' لیکن اس وسیلوں میں کہیں جاہ' حقوق اور مقامات کا کوئی وسیلہ نہیں' جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے وسیلے مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں بیان کردہ مشروع وسیلوں کی فہرست سے خارج ہیں۔ مشروع وسیلوں میں سے پہلا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی اور صفات عالیہ کا وسیلہ ہے۔ مثلاً مسلمان اپنی دعا میں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اَنْ تُعَافِیْنِیْ ○

ترجمہ: ''اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو رحمان ورحیم' لطیف وخبیر ہے کہ تو مجھے عافیت عطا فرما۔''

یا یوں کہے:

اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ اَنْ تَرْحَمْنِیْ وَ تَغْفِرْلِیْ ○

ترجمہ: ''اے اللہ' تیری اس رحمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو ہر شئے پر چھائی ہوئی ہے کہ تو مجھ پر رحم فرما اور مجھے بخش دے۔''

یا یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحُبِّکَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ○

ترجمہ: ''اے اللہ' تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔''

کیونکہ محبت بھی اللہ کی ایک صفت ہے۔

اس وسیلہ کی مشروعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَ لِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا ○ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: ''اور اللہ کے اچھے نام ہیں' انہیں سے اس کو پکارو۔''

یعنی اللہ سے دعا کرو تو اس کے اسماء حسنیٰ کو وسیلہ بنا کر دعا کرو' کیونکہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کی صفات ہیں جو صرف ذات الٰہی کے ساتھ خاص ہیں۔

اور ایک دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا بھی ہے جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (سورۃ النمل:۱۹)

''اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی اور مجھے توفیق دے کہ ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت کے وسیلے سے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔''

انہیں دلائل میں سے ایک دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے جو نماز میں سلام سے قبل آپ اپنی دعاؤں میں

پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاۃَ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتْ الوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ ○ (النسائی والحاکم)

ترجمہ: ''اے اللہ تیرے علم غیب سے مخلوق پر تیری قدرت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے زندہ رکھ جب تک زندہ رہنا میرے لئے تو بہتر جانے اور مجھے وفات دے اگر وفات میرے لئے بہتر ہے۔''

ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا جو تشہد میں یہ دعا پڑھ رہا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ ' اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَہٗ ○ (ابوداؤدوالنسائی)

ترجمہ: ''اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، یا اللہ جو ایک اکیلا بے نیاز ہے، نہ جنا نہ جنا گیا، نہ اس کے برابر کوئی ہے کہ میرے گناہ بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، تو آپ نے فرمایا اس کی بخشش کی گئی۔''

اور آپ نے ایک دوسرے شخص سے سنا جو اپنے تشہد میں کہہ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اَلْمَنَّانُ یَا بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ' یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ' یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ ○

ترجمہ: ''اے اللہ، تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے ہی لئے سب تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے ' تیرا کوئی شریک نہیں، اے احسان کرنے والے، اے آسمان و زمین کے ایجاد کرنے والے، اے جلال و بزرگی والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے نگرانی کرنے والے، میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوں۔''

آپ نے صحابہؓ کرام سے فرمایا: ''جانتے ہو اس نے کس وسیلہ سے دعا کی؟'' صحابہ کرام نے فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس نے اللہ کو اس عظیم نام سے (اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے سب سے بڑے نام سے) پکارا ہے کہ جب بھی اس کو اس نام سے پکارا جاتا ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب بھی اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔''

ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد ہے کہ جس کو زیادہ غم و فکر ہو وہ اس دُعا کو پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ ' وَابْنُ اَمَتِکَ ' نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ ' مَاضٍ فِیَّ حُکْمِکَ ' عَدْلٌ فِیَّ

قَضَاءُ کَ اَسَأَلُکَ بِکُلِّ ، اِسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَو اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ ، وَجَلاءَ حُزْنِی ، وَذَهَابَ هَمِّیْ ، اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَحُزْنَهٗ وَاَبْدَلَهٗ مَکَانَهٗ فَرَجًا ○ (مسند احمد)

ترجمہ: ''اے اللہ' بے شک میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں' میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے' میرے اندر تیرا حکم جاری ہے' میرے بارے میں تیرا فیصلہ انصاف کے مطابق ہے' میں سوال کرتا ہوں ہر اس نام کے وسیلہ سے جو تیرے لئے خاص ہے جس کو تو نے اپنی ذات کیلئے موسوم کیا ہے' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے' یا اپنی کتاب میں اس کو نازل کیا ہے' یا اپنے پاس علم غیب میں اس کو ترجیح دیا ہے۔ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج کی صفائی اور غم کو دُور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ تو اللہ اس کا رنج اور غم دور کر دیتا ہے اور اس کے بدلے کشادگی دے دیتا ہے۔''

اور انہیں میں سے آپ کا یہ اِستعاذہ بھی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ ○ (متفق علیہ)

ترجمہ: ''اے اللہ! پناہ چاہتا ہوں تیری عزت کے وسیلے سے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' اس بات سے کہ تو مجھے گمراہ کردے۔''

اور یہ دعا بھی جو حضرت انس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو فرماتے تھے

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ ○ (ترمذی)

ترجمہ: ''اے زندہ ہمیشہ رہنے والے' تیری رحمت کے وسیلہ سے فریاد کرتا ہوں۔''

یہ اور اس جیسی احادیث سے بصراحت واضح ہوگیا کہ بارگاہِ الٰہی کا مشروع وسیلہ اس کے ناموں میں سے کسی نام کا ہے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کا' نیز یہ کہ یہ وسیلہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعا میں اس کو استعمال فرمایا ہے۔ اللہ کا اِرشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ○ (الحشر:۸)

ترجمہ: ''اور اللہ کے رسول جو کچھ دیں اس کو لے لو۔''

اِس آیت کی روشنی میں ہمارے لئے یہ مشروع ہوگیا کہ ہم بھی اپنی دعاؤں میں انہیں الفاظ کے ذریعہ اللہ سے مانگیں

جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا۔ یہ بات ہزار درجہ بہتر ہے اس سے کہ ہم اپنی طبیعت سے دُعائیں گڑھیں اور ان کے جملے بنائیں۔

عمل صالح کا وسیلہ:

مثلاً مسلمان اپنی دُعا میں کہے: ''اے اللہ تجھ پر میرے ایمان' تیرے لئے میری محبت اور تیرے رسول کے لئے میری اِتباع کے وسیلے سے میری مغفرت فرما۔'' یا یوں کہے: ''اے اللہ! تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میری محبت اور ان پر میرے ایمان کے وسیلے سے کہ تو میری مصیبت دُور فرما۔''

عمل صالح کا وسیلہ یہ بھی ہے کہ دُعا کرنے والا کسی ایسے صالح عمل کو یاد کرے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کا خوف' اللہ سے اس کا تقوی اور اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دینا تا کہ دُعا کی قبولیت واجابت کے لئے زیادہ باعث اُمید ہو۔ یہ نہایت عمدہ وسیلہ ہے جسے اللہ نے مشروع اور پسند فرمایا ہے۔اس کی مشروعیت پر اللہ کا یہ اِرشاد دلیل ہے:

۱- اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَ ابَ النَّارِ ○ (آل عمران:۵۳)

ترجمہ: ''جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ پروردگار ہم اِیمان لے آئے' لہٰذا ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

۲- رَبَّنَا اٰمنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ○ (آل عمران:۵۳)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب' ہم اِیمان لے آئے اس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔''

۳- رَبَّنَـآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ (آل عمران:۱۹۳)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ اِیمان کے لئے پکار رہا تھا یعنی اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم اِیمان لے آئے ۔اے پروردگار' ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اُٹھا۔''

اس قسم کی دوسری آیات کریمہ ہیں جو اس توسُّل کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہیں۔

اسی طرح بریدہ بن الخصیبؓ کی وہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو کہہ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ بِأَنِّیْ اَشْھَدُ أَنَّکَ أَنْتَ اللہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا أَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ فَقَالَ قَدْ سَأَلَ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعطٰی وَاِذَادُعِیَ بِہٖ أَجَابَ ○ (احمد)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا بے نیاز ہے جس کے نہ اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کے برابر کوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے جس سے جب بھی سوال کیا گیا اس نے دیا اور اس کے ذریعہ جب بھی دعا کی گئی اس نے قبول کیا۔''

اور ان اعمال صالحہ کے ضمن میں اصحاب غار کا قصہ بھی آتا ہے' جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''تم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں ان میں سے تین آدمیوں کی ایک جماعت سفر کر رہی تھی کہ رات بسر کرنے کے لئے وہ لوگ ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ جب وہ غار میں داخل ہوئے تو پہاڑ پر سے ایک چٹان لڑھک کر گری اور غار کا منہ ان پر بند کر دیا' تب وہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ تُم کو چٹان سے اب صرف یہی عمل بچا سکتا ہے کہ تم اپنے صالح اعمال کے وسیلہ سے اللہ سے دُعا مانگو۔ اور ''مسلم'' میں ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''ایسے صالح اعمال کو دیکھو جو تم نے خالصۃً للہ کیا ہے اور انہیں اعمال کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگو' شاید اس چٹان کو تُم سے ہٹا دے۔'' ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ' میرے ماں باپ دونوں ہی بوڑھے تھے اور شام کا دودھ ان سے پہلے نہ اپنے بال بچوں کو پلاتا نہ دوسروں کو۔ ایک دِن ایک درخت کی تلاش میں دور نکل گیا اور میں اپنے جانوروں کو لے کر ان کے پاس بہت دیر سے واپس ہوا جبکہ وہ دونوں ہی سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لئے دودھ دوہا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے پسند نہیں کیا کہ ان کو دودھ پلانے سے پہلے اپنے بال بچوں اور دوسروں کو پلاؤں۔ میں پیالہ ہاتھ میں لے کر کھڑا ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ فجر روشن ہوگئی۔ تب وہ جاگے اور دودھ پیا۔ اے اللہ' اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کے سبب ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو دُور فرما۔'' چٹان تھوڑی سی کھسک گئی لیکن اتنی نہیں کہ وہ لوگ نکل سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دوسرے شخص نے کہا ''میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی۔ میں نے اِس سے برائی کا اِرادہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر وہ ایک سال بدترین قحط سالی کا شکار ہو کر میرے پاس آئی

۔میں نے اس کوایک سوبیس دیناراس شرط پر دیئے کہ وہ میرے اوراپنے درمیان تخلیہ کرادے۔اس نے ایسا ہی کیا۔جب میں نے اس پر قابو پالیا تو کہنے لگی'اے بندہ اللہ! اللہ سے ڈراوراس مہر کواس کے حق کے ساتھ ہی توڑ۔یہ سن کر میں اس پر بار ہونے سے رُک گیا اوراس کو چھوڑ کر واپس ہو گیا حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور وہ دینار بھی میں نے چھوڑ دیا جواس کو دے چکا تھا۔اے اللہ' اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو ہم سے دُور کر دے۔'' چٹان کھسک گئی لیکن اتنی نہیں کہ سب نکل سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تیسرے شخص نے کہا:''اے اللہ میں نے بہت سے مزدوروں سے مزدوری کرائی اور سب کو اجرت دے دی سوائے ایک شخص کے جو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔میں نے اس کی مزدوری کو خوب بڑھایا۔یہاں تک کہ اس کی مزدوری سے مال کی بہتات ہوگئی۔بہت دنوں بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا بندۂ اللہ' میری مزدوری دیدو۔''میں نے اس سے کہا''یہ جتنے اونٹ' گائے' بکری اور غلام تم دیکھ رہے ہو سب تمہاری ہی مزدوری کے ہیں۔''اس نے کہا''اللہ کے بندے' مجھ سے مذاق کرتے ہو؟''میں نے کہا:''تم سے میں مذاق نہیں کرتا۔'' تب اس نے سب کو لیا اور ہانک کرلے گیا اور کچھ نہیں چھوڑا۔اے اللہ' اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کے سبب ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو ہم سے دور فرما۔'' چٹان کھسک گئی اور سب لوگ نکل کر چلے گئے۔

اِس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ان تینوں مومن مردوں کو جب مصیبت نے جکڑ لیا اور وہ تنگی میں پڑ گئے اور اپنی نجات کی تمام راہوں سے وہ مایوس ہو گئے اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی راہ کو کھلا پایا تو وہ سب اللہ ہی کی طرف رجوع ہوئے اور اس کو پورے خلوص کے ساتھ پکارا اور دعا کرتے وقت اپنے ان اعمال صالح کو یاد کیا۔جنہیں انہوں نے امن واطمینان کے وقت کیا تھا اِس اُمید پر کہ مصیبت کے وقت میں ان اعمال کے سبب اللہ ان پر رحم فرمائے گا' جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے۔''سہولت کے وقت اللہ کی معرفت حاصل کرو' مشکل کے وقت اللہ تُم کو پہچان لے گا۔''سب نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ان اعمال کا وسیلہ لیا۔پہلے شخص نے والدین کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور اپنی شدید محبت اور نرمی کا وسیلہ لیا۔ایسی رافت ورحمت تو انبیاء کرام کے علاوہ شاید ہی کوئی دوسرا انسان اپنے والدین کے ساتھ کر سکتا ہو۔

دوسرے شخص نے اپنی اس چچازاد محبوبہ کے ساتھ زنا سے بچنے کا وسیلہ لیا جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا تھا حالانکہ وہ اس پر پوری طرح قابو پا چکا تھا اور لڑکی اپنی بھوک اور تنگی کے سبب دِل کی کراہت کے باوجود خود کو اس کے سپرد کر چکی تھی' پھر بھی اس نے اس کو اللہ کی یاد دلائی جس سے اس کا دِل بیدار ہو گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے لڑکی کو

بھی آزاد کر دیا اور اس کو دیا ہوا مال بھی چھوڑ دیا۔

اور تیسرے شخص نے اپنے مزدور کی چھوڑی ہوئی اُجرت کی نگہداشت کا وسیلہ لیا جو صرف تین صاع چاول کے برابر تھی، جیسا کہ صحیح روایت میں موجود ہے۔ مزدور تو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا لیکن اس کام کرنے والے نے اس کو اتنا بڑھایا کہ گائے، اونٹ اور بکریوں کا ریوڑ بن گیا۔ مزدور کو جب اپنی حقیر و معمولی مزدوری یاد آئی تو وہ مالک کے پاس آیا اور اپنا حق مانگا ۔ مالک نے وہ سارا مال اس کے حوالہ کر دیا جس سے وہ گھبرا گیا اور سمجھا کہ مالک نے اس کے مال کو بڑھا کر یہ پورا خزانہ بنا دیا ہے تو وہ خوش خوش سب لے کر چلا گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ کام کرانے والے کا یہ کارنامہ مزدوروں کے ساتھ احسان کرنے کا ایک نادر واقعہ ہے اور مزدور کی رعایت اور اکرام کی ایک اعلیٰ مثال ہے، اور جو لوگ آج مزدوروں کی حمایت اور ان کے ساتھ انصاف کا دم بھرتے ہیں اس کے عشر عشیر بھی خدمت و سلوک نہیں کر سکتے۔

ان تینوں نے اپنے ان اعمال صالح کے وسیلہ سے اللہ رب العالمین کو پکارا انہوں نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ یہ اعمال انہوں نے صرف اللہ کی رضا کی خاطر کئے تھے۔ دنیا کی کسی ادنیٰ غرض یا مصلحت وقت یا جاہ و مال کی قطعاً نیت ان کے دِل میں نہ تھی۔ اللہ سے انہوں نے دُعا کی کہ ان کی تنگی کو دور فرمائے اور اس مصیبت سے ان کو نجات دے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کی مشکل آسان کی، اللہ نے ان کے ساتھ ان کے حسن ظن کے مطابق ہی معاملہ کیا۔ ان کے لئے عادات کو توڑ ڈالا اور اس کرامت ظاہرہ کے ساتھ ان کو عزت دی اور تین مراحل میں چٹان کو بتدریج اس طرح سرکایا کہ جب ان میں سے کسی نے دعا کی تو چٹان تھوڑی سی سرک گئی، یہاں تک کہ تیسرے کی دُعا کے وقت پورے طور پر چٹان ہٹ گئی، حالانکہ وہ یقینی طور پر موت کے منہ میں جا چکے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہترین قصہ جو پردہ غیب میں تھا اور جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ہم سے محض اس لئے بیان فرمایا تا کہ پچھلی امتوں کے مثالی حضرات کے قابل نمونہ اعمال کی یاد تازہ ہو اور ہم ان کی اقتداء کریں اور ان کے حالات سے بہترین درس اور کامل عبرت و موعظت حاصل کریں۔

یہاں کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اعمال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل کے ہیں، ہم پر کیسے لاگو ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ علم اصول کا یہ مسئلہ ہے کہ ہم سے پہلے والوں کی شرع ہمارے لئے شرع نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس لئے صحیح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ محض مدح و ثنا کے طور پر بیان فرمایا ہے اور آپ نے اسے بطور خود ثابت بھی فرمایا

ہے' بلکہ اس کے اقرار و اثبات سے بڑھ کر ان کا وہ وسیلہ عمل بھی ہے جسے انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا اور یہ واقعہ وسیلہ والی ان آیات کی عملی شرح و تطبیق بھی ہے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اور آسمانی شریعتیں اپنے مقاصد تعلیم و توجیہ اور اغراض و اہداف کے اِعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے کیونکہ یہ سب ایک ہی چشمہ سے پھوٹتی ہیں اور ایک ہی مرکز نور سے نکلتی ہیں اور خاص طور پر ان معاملات میں جو بندوں اور رب العالمین سے متعلق ہیں۔

مردِ صالح کی دُعا کا وسیلہ:

مثلاً کوئی مسلمان کسی شدید تنگی کا شکار ہو یا اس پر کوئی بڑی مصیبت آ پڑی ہو اور وہ جانتا ہو کہ اللہ کی اِطاعت میں اس کی طرف بڑی کوتاہی واقع ہوئی ہے' اب وہ چاہتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی تک کوئی مضبوط ذریعہ حاصل کرے لہٰذا وہ کسی ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جس کے صلاح و تقویٰ اور کتاب و سُنّت کے ساتھ اس کے علم و فضل پر اس کو پورا اِعتقاد ہوتا ہے اور وہ اس مرد صالح سے درخواست کرتا ہے کہ میرے لئے اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ میری مصیبت دور کر دے اور غم والم کا ازالہ فرما دے تو یہ بھی مشروع وسیلہ کی ایک قسم ہے۔ شریعت مطاہرہ اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور سُنّت شریفہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل سے اس کے نمونے ملتے ہیں' جس کی مثال حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں پر قحط پڑا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی منبر کے سامنے والے دروازے سے مسجد میں داخل ہوا۔ آپ کھڑے ہی تھے کہ اس نے سامنے آ کر کہا یا رسول اللہ! مال تباہ ہو گیا' بچے بھوکے ہو گئے' جانور ہلاک ہو گئے' روزی کے سارے دروازے بند ہو گئے۔ اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمایئے کہ ہمیں بارش سے سیراب فرمائے۔ آپ نے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھائے اتنے کہ میں نے آپ کے بغل کی چمک دیکھ لی۔ آپ دُعا میں کہہ رہے تھے' اے اللہ ہماری فریاد سن لے' اے اللہ! ہماری فریاد سن لے۔'' آپ کے ساتھ سبھی لوگ ہاتھ اُٹھائے دُعا کر رہے تھے۔ البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ نہیں بتایا کہ آپ نے اپنی چادر پلٹ دی اور نہ ہی یہ کہ قبلہ کو سامنے کر لیا۔ اور واللہ ہم نے آسمان میں بدلی وغیرہ کچھ نہیں دیکھی جبکہ ہمارے اور سلع کے درمیان نہ گھر تھا نہ مکان اور آسمان بھی بالکل شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلع کے پیچھے سے ڈھال کی مانند ایک بدلی نکلی ' آسمان کے بیچ میں آ کر پھیل گئی اور بارش ہونے لگی۔ قسم ہے اللہ کی' بدلی پہاڑوں کی طرح پھٹ گئی۔ آپ ابھی منبر سے اُترے نہیں تھے کہ بارش آپ کی داڑھی سے ٹپکنے لگی۔''

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ: ''ہوا کا جھکڑ اٹھا جس سے بدلی پھیل گئی اور گھنی ہوگئی اور آسمان نے اپنے دھانے کھول دیئے۔ آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھی، ہم لوگ مسجد سے نکلے اور پانی میں چلتے ہوئے گھروں تک پہنچے۔''

ایک اور روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ''بارش اتنی ہوئی کہ آدمی کا گھر تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔ اس روز پورے دن تک بارش ہوتی رہی، پھر دوسرے تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک ہوتی رہی، بند ہی نہیں ہوئی۔ مدینہ کی نالیوں میں سیلابی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اللہ گواہ ہم نے چھ دن تک سورج نہیں دیکھا۔''

پھر وہی دیہاتی دوسرے جمعہ کو اسی روز دروازے سے مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، وہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا گھر گر گئے، راستے کٹ گئے، مویشی ہلاک ہوگئے اور مال پانی میں غرق ہوگئے۔ آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش بند کردے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا اُٹھے، اپنا ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھایا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ، اَللّٰھُمَّ عَلٰی رُءُ وْسِ الْجِبَالِ وَالْاٰکَامِ ، وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ

ترجمہ: ''اے اللہ، بارش ہم پر نہیں ہمارے آس پاس برسا۔ اے اللہ، پہاڑوں اور ٹیلوں کی چوٹیوں پر برسا اور وادیوں کے نشیب اور جنگلوں پر برسا۔''

آپ ہاتھ سے بدلی کی طرف اشارہ کرتے اور بدلی گڑھے کی طرح پھٹتی جاتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مدینہ کی سمت کی بدلیاں داہنے بائیں طرف چھٹنے لگیں، جیسے پردہ ہٹا لیا گیا ہو۔ ہم مسجد سے نکلے تو دُھوپ چمک رہی تھی۔ اللہ نے اپنے نبی کی کرامت اور دُعا کی قبولیت لوگوں پر واضح کردی۔ وادی ایک ماہ تک نہر کی طرح بہتی رہی۔ کوئی کسی بھی سمت سے مدینہ آتا تو اس بارش سے اس کو سابقہ پڑتا۔''

اور اسی کی وہ حدیث بھی ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ لوگ جب قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ بارش طلب کرتے اور یوں دعا کرتے۔ ''اے اللہ ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے تو ہمیں سیراب کرتا تھا اور اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے بارش طلب کررہے ہیں لہٰذا تو ہمیں بارش عطا فرما۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایسا کہنے پر لوگوں کو بارش ملتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی ﷺ کے پاس ان کی زندگی میں جایا کرتے تھے اور ان سے درخواست کرتے تھے کہ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں اور ان کی دعا کے ذریعے ہم تقریب الٰہی

حاصل کرتے تھے‘اور اب جبکہ وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور ان کے لئے اب ممکن نہ رہا کہ ہمارے لئے دُعا فرمائیں تو اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں اور ان سے اپنے لئے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتے تھے۔ ’’اے اللہ‘ہمیں اپنی نبی ﷺ کے جاہ سے بارش دے۔‘‘ اور اب آپ کی وفات کے بعد لوگ یوں کہنے لگے ’’اے اللہ‘ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جاہ سے ہمیں بارش عطا کر۔ کیونکہ اس طرح دُعا کرنا بدعت ہے۔ کتاب وسُنّت میں اس کی اصل و بنیاد نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالح میں کسی ایک نے ایسا کیا ہے۔

اور اسی ضمن میں یہ روایت بھی آتی ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سند صحیح کے ساتھ تابعی جلیل سلیم بن عامر الخبائری سے روایت کیا ہے کہ ’’آسمانی قحط نازل ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق استسقاء کے لئے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے گئے تو فرمایا: یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی۔ حضرت یزید لوگوں کو پھاندتے ہوئے آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو وہ بھی منبر پر چڑھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’اے اللہ ہم تیرے پاس سفارش لے کر آئے ہیں اپنے سب سے بہتر اور افضل شخص کے ذریعہ۔ اے یزید اپنے دونوں ہاتھوں اللہ کی طرف اُٹھاؤ۔ انہوں نے دونوں ہاتھ اُٹھا لئے اور سب لوگوں نے بھی ہاتھ اُٹھا لئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مغرب سمت میں ایک بدلی ڈھال کی مانند نکلی اور اس کو ہوا لیکر اُڑی اور ہم کو اس طرح سَیراب کر ڈالا کہ لوگ اپنے مکانوں تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔

اور ابن عساکر نے سند صحیح سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ضحاک بن قیس استسقاء کیلئے لوگوں کو لے کر نکلے اور یزید بن الاسود سے کہا: اے رونے والے اُٹھ‘‘ چنانچہ اُنہوں نے ابھی تین بار ہی دُعا کی تھی کہ اتنی شدید بارش ہونے لگی کہ لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ معلوم ہونے لگا۔‘‘

دیکھئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کا وسیلہ نہیں لیتے تھے‘ بلکہ اس مرد صالح یزید بن الاسود کے وسیلہ سے دُعا مانگتے تھے اور ایسا ہی حضرت ضحاک بن قیس کے عہد ولایت میں بھی ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا اور اللہ نے دونوں کی دُعائیں قبول فرمائیں۔

خلاصہ کلام:

وسیلہ کی ان تینوں مشروع قسموں کے علاوہ ہر قسم کا وسیلہ حرام و باطل ہے جس کی کتاب وسُنّت سے کوئی دلیل ثابت

نہیں اور علماء محققین نے ہر دور میں ان مخالفت شرع وسیلوں کی سخت تردید کی ہے اور مخلوق کے وسیلہ سے سب نے ہی منع کیا ہے

قرآن مجید کی تمام دعائیں پڑھ ڈالئے کسی میں بھی "کسی کے جاہ' حق' یا حرمت و مرتبہ کا وسیلہ کا ذکر نہیں۔ انبیاء سابقین میں سے بھی کسی کی دُعا میں ایسا اشارہ تک موجود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن دعاؤں کی تعلیم دی ہے وہ سب کی سب ان اختراعی اور من گھڑت وسیلوں سے یکسر پاک وصاف ہیں۔ دعاء استخارہ ہو یا دعاء حاجت' کسی قسم کی دعا میں بھی اس غیر مشروع وسیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ مسنون ومشروع وسیلہ کو چھوڑ کر حرام و باطل وسیلہ کو استعمال کر رہے ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ مشروع وسیلہ کی حقیقت ہی سے نا آشنا ہو گئے' اور اب سوائے باطل وحرام وسیلہ کے ان کی زبان پر کوئی مشروع وسیلہ کا ذکر نہیں آتا۔ تابعی جلیل حضرت حسان بن عطیہ المحاربی نے بالکل صحیح کہا ہے۔ "جب لوگ دین میں کسی بدعت کا اضافہ کرتے ہیں تو اس جیسی کوئی سُنّت ان سے چھین لی جاتی ہے' پھر قیامت تک وہ سُنّت ان میں لوٹائی نہیں جاتی۔"

اس غیر مشروع وسیلہ کی تردید ہم ہی نہیں بلکہ کبار ائمہ وعلماء راسخین نے بھی کی ہے چنانچہ درمختار (ج۲ ص۶۳۰) میں جو حنفیہ کی مشہور کتاب ہے' حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول موجود ہے۔ "کسی کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ سے اس کے اسماءِ حسنٰی کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دعا کرے۔ کیونکہ ماذون وماثور دُعا کا طریقہ تو اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہو جاتا ہے:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ○

ترجمہ: "اللہ کے اچھے نام ہیں' انہیں ناموں سے اس کو پکارو۔"

اور بشر بن الولید کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور واسطے سے دعا کرے۔ اور میں حرام سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں دُعا مانگے۔ "اے اللہ' تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کی منزل عزت کے وسیلہ سے' تیری مخلوق کے حق کے وسیلہ سے۔" اور قدوری نے کہا: "مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔"

اور زبیدی نے "شرح الاحیاء" میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں اصحاب نے اس طرح کہنا حرام قرار دیا ہے "اے اللہ' فلاں کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں' یا تیرے انبیاء اور رسول یا بیت الحرام اور مشعر الحرام کے حق سے سوال کرتا ہوں۔" کیونکہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔"

تمت بالخیر الحمد للہ

مُقدّمہ

اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسَنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ . يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران:۱۰۲)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً وَ اتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحُ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب:۷۰-۷۱)

اَمَّا بَعْدُ ، فَاِنَّ خَيْرَ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاَمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدِثَةٍ بِدْعَةُ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَا لَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِى النَّارِ ○

اس کتاب کو پڑھنے والے میرے معزز مسلمان بھائیو!

آپ کے سامنے میں ایک ایسی کتاب پیش کرر رہا ہوں جس میں میں نے بڑی محنت کی ہے اور اس بات کا التزام کیا ہے کہ اس میں صرف وہی حق باتیں پیش کروں گا جن کی تائید قرآنی دلائل اور براہین سُنّت اور سلف صالحین کی سیرت ومنہج سے ہوتی ہے۔

سلف صالح کی تعریف کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا سب کو معلوم ہے کہ سلف صالح سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب کرام اور خیر القرون کے لوگ ہیں جن کے صاحب خیر ہونے کی شہادت دی جاتی ہے اور جو لوگ بھی ان کے طور طریقے پر چلے۔

یہ کتاب ایک ایسے عظیم موضوع پر بحث کررہی ہے جس میں سلف وخلف کا اختلاف ونزاع قائم رہا ہے اور وہ موضوع ''توسُّل'' کا ہے یعنی اللہ کی مرضی اور پسند کی باتوں کے ذریعہ اللہ کا قرب چاہنا۔

لیکن اس مطلوب ومقصود تک پہنچنے کی راہ پر سلف سے خلف تک لوگ بہت شاذ ونادر ہی اس پر چلے لوگ ایسی مختلف

راہوں پر چلتے رہے یعنی ان راہوں پر جو سیدھی اور صراط مستقیم نہ تھی جو انہیں فوز و رضا کی بلندیوں تک پہنچا سکتی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ان راستوں نے سیدھی راہ سے ہٹا دیا اور مقصود مطلوب تک پہنچنے سے بھٹکا دیا، ارشاد الٰہی ہے۔

وأَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ میری راہ ہے سیدھی پس اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو ورنہ وہ تم کو صراط مستقیم سے جدا کردے گی یہ وہ بات ہے جس کی اللہ نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم ڈرو۔''

ہمارا یہ موضوع بحث خالص سلفی ہے جو علمی اسلوب پر سہل اور جدید طریقے پر ابواب کی تفصیل کے ساتھ ایسا سلسلہ وار پیش کیا گیا ہے جس سے پڑھنے والا بہت آسان بسیط اور پُرکشش انداز میں موضوع کو سمجھ جاتا ہے، ساتھ ہی اس میں دلائل واضح ہیں جو سلف کی حجت اور خلف کی رائے پر مشتمل ہیں۔ اس طرح پڑھنے والا خود بخود اس پہلو کو متعین کر لیتا ہے جس پر وہ دلیل سے مطمئن ہو گیا ہے اور تحقیق و تدقیق کے بعد جو راستہ اس نے اختیار کیا اس پر چل پڑتا ہے یہ سمجھ کر کہ یہی اللہ کا متعین کردہ حق راستہ ہے اس کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ سب ضلالت ہے۔

میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے کوئی نیا موضوع بحث چھیڑا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں یہ بحث تو اس وقت سے چل رہی ہے جب سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کی کشمکش شروع ہوئی ہے اور رسالت و نبوت کا سلسلہ بھی محض اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ حق کی راہ کو ضلالت سے الگ کیا جائے اور انسانیت کو صراط مستقیم پر چلایا جائے۔ لہٰذا جس نے مشکاۃ نبوت اور مصابیح رسالت سے روشنی حاصل کی وہ گمراہی اور پستی سے بچ گیا اور جو ان راہوں پر چلتا رہا وہ صراط مستقیم سے الگ ہو گیا

ہماری یہ بحث بھی مقصد و اسلوب کے اعتبار سے انبیاء و مرسلین ہی کی راہ پر چل رہی ہے اور ہم اس میں انہیں کی راہ و طریقے کی تحقیق کریں گے جس کی تحقیق کی دعوت انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک دی۔

لہٰذا یہ بحث اِسلام کی خالص دعوت ہے اگر آپ اس پر چلے تو آپ کے لئے یہ پل ثابت ہو گی جس کو عبور کر کے آپ جنت نعیم تک پہنچ جائیں گے، لیکن اگر آپ نے انبیاء و مرسلین کی اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی تو آپ کو بھی انہیں ہلاکت کی پستیوں میں لے جا گرا دیں گی جن میں آپ سے قبل وہ سب لوگ گر کر ہلاک ہوئے جنہوں نے راہ حق کو چھوڑ کر ضلالت و کج روی اختیار کی۔ اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لئے میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کتاب و سنت کے دلائل کو خوب واضح اور

روشن کردوں تا کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کی علامات بالکل عیاں ہوجائیں' سب سے پہلے میں نے توسُّل کے لغوی معنی اور شرعی معنوں کی تحقیق کی ہے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ''مشروع اور ممنوع'' اور مشروع وسیلہ کی بھی تین قسمیں کیں۔

ا۔ اللہ کی ذات اور اس کے اسماء اور صفات کا وسیلہ۔

۲۔ مومن کے اعمال صالحہ کا وسیلہ۔

۳۔ مومن کی غائبانہ دعا کا وسیلہ۔

پھر ان تینوں قسموں کی الگ الگ تعریف و تفصیل کی اور اس کو آیات قرآنی کے دلائل سے اچھی طرح ثابت کیا اور اس کی کئی کئی مثالیں دیں تا کہ اچھی طرح وہ ذہن نشین ہوجائے۔اسی طرح وسیلہ کے تمام اقسام کے دلائل احادیث صحیحہ سے بھی پیش کئے اور یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ سے قبل کے انبیاء اور ان کی امتوں کے لوگ اپنی دعاؤں سے کس طرح بارگاہ الٰہی کا وسیلہ چاہتے تھے کیونکہ وہ سب ہمارے لئے قدوہ اور اسوہ ہیں۔اسی طرح ممنوعہ وسیلہ کی بھی تین قسمیں کیں

ا۔ اللہ کی بارگاہ میں مخلوقات کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ۔

۲۔ بارگاہ الٰہی میں کسی کے جاہ' حق اور حرمت و برکت کا وسیلہ۔

۳۔ جس کا وسیلہ لیا گیا ہے اللہ پر اس کی قسم کھانا۔

اور میں نے ہر ایک کو کتاب و سُنت کے دلائل اور سیرت سلف صالح اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے پوری طرح رد کردیا ہے۔ساتھ ہی میں ممنوعہ وسیلہ کے قائلین کے بھی اقوال و دلائل جو انہوں نے اپنے زعم کے مطابق قرآن و حدیث سے پیش کئے تھے سب کو نقل کردیا اور تقریباً تیس اعتراضات اور ان کے دعاوی کو میں نے بلا کم و کاست قارئین کے سامنے رکھ دیا پھر ایک ایک کر کے سب کا جواب دیا ہے۔ان کے متن اور سند سب پر بحث کی ہے۔یہ دلائل انہوں نے بے محل پیش کئے تھے اور احادیث ایسی ضعیف اور نا قابل اعتبار پیش کی تھیں جن کو کسی طرح بھی دلیل و حجت قرار ہی نہیں دیا جاسکتا۔

پھر ان کے دلائل خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی سے رد نہیں کئے' اللہ گواہ ہے کہ اگر ان کی ایک دلیل بھی صحیح ہوتی تو میں ضرور کھلے دل سے تسلیم کرتا' لیکن اے کاش ایک دلیل بھی صحیح ہوتی' پھر ان بیچاروں کا قصور ہی کیا ان کے دلائل ہی سب بناوٹی بے محل اور برخود غلط تھے ان کی تغلیط و تردید میں نے نہیں ماہرین علم حدیث اور اصحاب جرح و تعدیل نے کی ہے۔

ان کو تو میرا شکر گذار ہونا چاہئے کہ ان کے شبہات اور مزعومات کی میں نے اچھی طرح قلعی کھول کر ان کے لئے حق

وہدایت کی راہ روشن کردی اور جب کہ حق ان کے سامنے روشن ہوگیا اور باطل پاش پاش ہوکر ذلیل ورسوا ہوگیا تو ان کو چاہئے کہ مومنین صادقین کی طرح اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوجائیں اور اپنے عقائد باطلہ سے صدق دل سے توبہ کریں اللہ تواب ورحیم ہے ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ حضرات بھی ہماری طرح مشروع وسیلہ کے قائل ہیں لیکن قول وعمل کے تضاد کا یہ حال ہے کہ وسیلہ اختیار کرتے وقت کبھی بھی مشروع وسیلہ پرعمل نہیں کرتے ہم نے زندگی میں ایک بار بھی نہیں سنا کہ انہوں نے اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ اور اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا ہو جب بھی وہ اپنے نازک وقتوں میں وسیلہ کے محتاج ہوئے تو انبیاء کے حق، اولیاء کے جاہ ومرتبہ اور صالحین کی برکت ہی کا وسیلہ لیتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ہستیاں اب دنیا میں موجود نہیں ہیں اور انہیں خود اپنا بھی احساس نہیں تو اپنے پکارنے والوں سے کیسے باخبر ہوسکتی ہیں۔

ان کا یہی تضاد عمل ہے جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کتاب کو لکھوں اور ان کو اور خود کو وسیلہ حق سے روشناس کراؤں تاکہ باطل وفاسد عقائد مٹ جائیں اور حق ثابت اور واضح ہوجائے اور ہم سب بیک زبان پکار اٹھیں۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

وصل علی محمد وعلی اله وصحبه، التابعین وتابعیهم باحسان الی ماشاء اللہ وسلم تسلیما کثیرا وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین.

محمد نسیب الرفاعی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وسیلہ کا لغوی اور شرعی معنیٰ

وسیلہ کا لغوی معنیٰ:

وسیلہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔ کہا جاتا ہے 'تَوَسَّلَ اِلَیْہِ بِوَسِیْلَۃٍ – اَیْ تَقَرَّبَ اِلَیْہِ بِعَمَلٍ یعنی عمل کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کیا۔ (صحاح للجوہری)

بادشاہ کے نزدیک مرتبہ، درجہ، قربت پانا۔ (قاموس)

وسیلہ کا شرعی معنیٰ:

شریعت میں وسیلہ کہتے ہیں، اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ اس کی اطاعت، عبادت اور اس کے انبیاء ورسل کی اِتباع کر کے اور ہر اُس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ پسند کرے اور خوش ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اِرشاد ہے۔ ''وسیلہ قربت کو کہتے ہیں۔''

قتادہؒ نے ''قربت'' کی تفسیر میں کہا: اللہ کا تقرب حاصل کرو اس کی اطاعت کر کے اور اس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ پسند کرتا ہے۔'' اس لئے کہ شریعت نے جتنے بھی واجبات اور مستحبات کا حکم دیا ہے وہ سب تقرب کا ذریعہ اور شرعی وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدۃ:۳۵)

ترجمہ:''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

نیز ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○

ترجمہ:''کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو معبود قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو، وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے قابل۔'' (الاسراء:۵۶،۵۷)

اِس تشریح سے معلوم ہوا کہ لغت اور شریعت دونوں ہی اعتبار سے وسیلہ کا معنی ''تقرب'' ہے۔ یعنی اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔

برادران اسلام! سورہ مائدہ والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اِیمان تقوٰی اور جہاد کے ذریعہ اپنی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اور ان اعمال صالحہ کے انعام میں ان کی کامیابی اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور سورہ اسراء والی دونوں آیتوں میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ مشرکین جو اشخاص ومخلوقات کے ذریعہ اللہ کا قرب ڈھونڈتے ہیں تو ان کا یہ عمل بے فائدہ ہے، کیونکہ یہ اشخاص، مشرکین کی تکالیف نہ دور کرسکتے نہ ہی ٹال سکتے۔ ان شخصیتوں کو پکارنے سے مشرکین کا نہ کوئی کام آگے ہوسکتا ہے نہ پیچھے اور نہ ہی یہ ان کو ان کی منزل مقصود تک پہنچا سکتے۔ کیونکہ مشرکین نے اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہی غلط اختیار کیا ہے۔

آیات کا تاریخی پس منظر:

کچھ عرب جنوں کی عبادت کرتے تھے۔خوش قسمتی سے یہ جن مسلمان ہو گئے' جبکہ ان کے عبادت گذار انسانوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور وہ بدستور ان جنوں کی عبادت میں لگے رہے تو اللہ نے سورہ اسراء کی ان دونوں آیات میں اپنے نبی ﷺ حضرت محمد ﷺ کو خبر دی کہ ان مشرکین کو متنبہ کیجئے کہ جن جنوں کے ذریعہ یہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ تو خود اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور وہ تو خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ بھلا وہ تمہاری تکلیفوں کو کیسے دُور کر سکتے ہیں ؟ جو چیزیں تم ان کے ذریعہ چاہتے ہو' ان چیزوں کے تو وہ تم سے زیادہ خود اپنے لئے محتاج ہیں' جو خود نادار ہے وہ بھلا دوسروں کو کیا دے سکتا ہے؟

ایک مثال:

اِس معاملے میں تمہاری مثال تو اُس مریض جیسی ہے جو علاج کی نیت سے کسی طبیب کے پاس جائے اور طبیب کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ خود بیمار ہے اور کسی دوسرے طبیب سے علاج کرا رہا ہے' تو کیا اس مریض کا فرض نہیں کہ اپنا علاج بھی اُسی طبیب سے کرالے جس کے پاس اپنے طبیب کو علاج کراتے پایا ہے۔ کیونکہ اس کا طبیب اگر ذرا بھی مفید ہوتا تو پہلے خود کو فائدہ پہنچاتا اور دوسرے طبیب کا محتاج نہ رہتا۔

جن شخصیتوں کو تم اپنے لئے پکار رہے ہو وہ تو خود اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں' اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو آخر تم بھی انہیں کی طرح کیوں نہیں کرتے' تا کہ جس طرح وہ اللہ تک پہنچ گئے' تم بھی پہنچ جاؤ۔

ذرا سوچو! جن لوگوں کو تم اپنا واسطہ بنا رہے ہو کیا انہوں نے اپنے توسُّل میں کسی کو واسطہ بنایا تھا ؟ انہوں نے اللہ تک پہنچنے کے لئے صرف اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا؟

بلاشبہ! اس کا صرف ایک ہی جواب ہے' کہ انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا ، جن کے ذریعہ وہ اللہ کا تقرب چاہتے تھے' تو آخر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں کی طرح تم بھی اپنے نیک اعمال کو تقرب الٰہی کا ذریعہ نہیں بناتے ؟ جب تم کو ان بزرگوں سے نسبت ہے اور تم ان کی بزرگی پر پورا بھروسہ بھی رکھتے ہو تو آخر ان کی اقتداء کیوں نہیں کرتے ؟ ایک طرف اُن سے عقیدت دوسری طرف ان کی مخالفت؟ تمہاری یہ دورنگی صاف چغلی کھا رہی ہے کہ تم کو نہ ان سے محبت ہے نہ عقیدت' اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو ضرور تم ان کو اپنا پیشوا بناتے اور اللہ تک پہنچنے کے لئے انہیں کی راہ کو اختیار کرتے۔

وسیلہ کی قسمیں:

مطلق وسیلہ لفظ شرعی اور غیر شرعی دونوں پر بولا جاتا ہے'ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ صحیح دلائل سے وسیلہ کے تمام اقسام کو اچھی طرح پہچان لیں تا کہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکیں اور اپنے لئے شرعی وسیلہ کو اختیار کر سکیں۔ پھر ہم اپنے اچھے اور برے عمل کے ذمہ دار ہوں گے۔یعنی **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○**

وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: مشروع اور ممنوع

شرعی وسیلہ کی تعریف:

شرعی وسیلہ جس کا اللہ نے ہمیں اپنی کتاب میں حکم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی وضاحت فرمائی ہے۔یعنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے شریعت کے موافق اعمال صالحہ اور طاعات کو ذریعہ بنانا جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے اور اللہ صرف انہیں باتوں کا حکم فرماتا ہے جنہیں پسند کرتا ا اور جن سے وہ راضی ہے۔

مشروع وسیلہ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اس کی برتر ذات اس کے اسماء حسنٰی اور صفات عالیہ کے ذریعہ۔

۲۔ مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ۔

۳۔ مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اپنے حق میں مومن بھائی کی دعا کے ذریعہ۔

مشروع وسیلہ کی پہلی قسم

اللہ کی بلند ذات' اُس کے اسماء حسنیٰ

اور صفات عالیہ کے ذریعہ اُس کا وسیلہ چاہنا

اِس مقبول ترین وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دُعا مانگنے سے قبل اس کی جناب میں اس کی بزرگی' حمد 'اس کی ذات برتر کی تقدیس' اُس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کو پیش کیا جائے۔ پھر جو کوئی حاجت ہو' دعا کی جائے' تا کہ یہ سب تسبیحات اُس کی بارگاہ میں وسیلہ بن جائیں اور اللہ ہماری دعائیں قبول کرلے اور ہم اپنا مطلوب حاصل کرلیں۔

مذکورہ بالا وسیلہ اپنی نوعیت اور قبولیت کے اِعتبار سے سب سے اعلیٰ ترین وسیلہ ہے۔ کیونکہ یہ سراپا تقدیس و تمجید اور اللہ کی ویسی ہی تعریف ہے جیسی خود اللہ نے اپنے لئے کی ہے۔ قرآن وحدیث کے صفحات اس وسیلہ کی ترغیب وفضیلت سے بھرے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ تا کہ مثال کے ساتھ ساتھ یہ اس صحیح وسیلہ کی دلیل بھی بن سکیں جس کی طرف ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں' اور جسے ہم اس شرعی وسیلہ کے لئے صحیح طریقہ اور مثالی راہ سمجھتے ہیں۔ جس کا حکم اللہ نے دیا اور اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔

پہلی دلیل:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں تو تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔ اور ان کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو اس کے اچھے ناموں سے پکاریں۔ تا کہ ان کی دُعا جلد قبول ہو اور ان لوگوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں جو اللہ کے ناموں میں ہیرا پھیری کرتے ہیں' کیوں کہ وہ اس کی بھرپور سزا پائیں گے۔

یہاں الحاد کا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء حسنیٰ کے ذریعہ اللہ کو پکارنے کے بجائے غیر اللہ کو پکارا جائے جو بدترین گناہ ہے۔ جو

لوگ ایسا کریں گے وہ اس کی ضرور سزا پائیں گے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ نیز معلوم ہوا کہ مشرع وسائل میں سب سے اعلیٰ و افضل وسیلہ یہی ہے کہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کی مقدس ذات و صفات کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوقات کی ذاتوں سے بزرگ، اس کے نام مخلوقات کے ناموں سے بلند اور اس کی صفات مخلوقات کی صفات سے مقدس اور اعلیٰ ہیں۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡئٌ وَّ هُوَالسَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○

یہ سب سے موثر وسیلہ ہے۔ اللہ اس وسیلے کے ذریعہ دعا مانگنے والے کی دعا سب سے پہلے قبول کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

اِمام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اسماءِ حسنیٰ کے بغیر اللہ سے دُعا کرے کیونکہ جس دُعا کی اِجازت اور حکم ہے وہ وہی ہے جس کی ہدایت وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا میں دی گئی ہے۔ا

اور انبیاء و رسل اور اولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دے کر دُعا مانگنے کو مکروہ کہا ہے۔ اِس لئے کہ مخلوقات کا خالق پر کوئی حق نہیں۔ اور علائی نے تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے ناموں کے سوا غیر اللہ سے دُعا مانگے۔ اور تمام حنفی کتابوں میں موجود ہے کہ انبیاء اولیاء اور بیت الحرام کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کی حرمت ایسی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اِن حوالوں کا جو اِنکار کرے وہ مذہب حنفی سے ناواقف ہے۔

اسماء وصفات وذات الٰہی کا وسیلہ

احادیث کی روشنی میں

جس طرح اللہ کی ذات اس کے اسماء وصفات کا وسیلہ لینے کی مثالیں قرآن کریم سے پیش کی گئیں، اسی طرح اِس بارے میں چند احادیث بھی پیش کی جارہی ہیں جن سے آپ پر واضح ہوجائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعاؤں سے قبل اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کا وسیلہ اللہ کی جناب میں پیش کرتے تھے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیشوا ہیں، اس لئے آپ کی اقتداء و اِتباع ہم پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ○ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: ''تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات بہترین نمونہ ہے۔''

پہلی حدیث:

عَنْ عبد الله بن بُريدةَ عن ابيه انَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ بِأَنِّیْ اَشْهَدُ أَنَّکَ أَنْتَ اللهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ . فَقَالَ قَدْ سَأَلَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ○ (اخرجہ احمد ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا بے نیاز ہے جس کے نہ اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کے برابر کوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے جس سے جب بھی سوال کیا گیا''۔

دوسری حدیث:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی الله عنه اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَرَجُلٌ يُصَلِّی ثُمَّ دَعَا ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ اَلْمَنَّانُ يَا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، يَا ذَالْجَلَالِ

وَالْاِکْرَام ' یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْدَعَا اللّٰہَ بِاسْمِہٖ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی ○ (اخرجہ الامام احمد وابوداؤد وابن ماجہ والترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا پھر اس نے دعا مانگی ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بیشک تیرے ہی لئے سب تعریف ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو ہی احسان کرنے والا ہے' تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اے جلال و بزرگی کے مالک' اے زندہ رہنے والے اے بندوبست کرنے والے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی جو شخص بھی اس وسیلہ سے دعا مانگے گا' اللہ قبول کرے گا اور جب بھی اس کے ذریعہ سوال کیا جائے گا دے گا۔

برادران اسلام! آپ کے سامنے میں نے یہ دو حدیثیں پیش کیں تاکہ ان سے آپ پر واضح ہو جائے کہ اللہ کے اسماء حسنٰی دعا کی قبولیت کے لئے سب سے بہترین وسیلہ ہیں اور ان میں بھی خصوصیت سے اللہ کا اسم اعظم۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے سامنے شہادت دی کہ اللہ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے جب بھی دعا مانگی جائے' اللہ قبول کرے گا اور جب بھی اس کے وسیلے سے سوال کیا جائے گا اللہ دے گا۔

دونوں ہی حدیثوں میں دُعا کرنے والے نے اسماء حسنٰی اور اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی جس کی قبولیت کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دی۔ لہٰذا ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنی دعا کے اول میں اللہ کے اسماء حسنٰی کا ذکر کرے اور انہیں بطور وسیلہ بارگاہ الٰہی میں پیش کرے' اس کے بعد دعا مانگے تاکہ اللہ رب العزت اُس کی دُعا جلد قبول فرمائے۔

دعا کا یہی مسنون طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اُمت کے لئے یہی طریقہ پسند فرمایا تھا۔ اِسی پر امت کا عمل ہونا چاہئے تاکہ سب کا گوہر مقصود ہاتھ آئے' دعائیں جلد قبول ہوں اور لوگ اپنی مُراد پائیں۔

تیسری حدیث:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز کس چیز سے شروع کرتے تھے؟'' اُنہوں نے جواب دیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو اپنی نماز اِس دعا سے شروع فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبِّ جِبْرَائِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ : اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ''اے اللہ! جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جن باتوں میں وہ اِختلاف کرتے ہیں۔ تو مجھے ہدایت دے اس حق میں جس میں اِختلاف کیا گیا۔ تو ہی جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف چلاتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق و ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق پانے کی اللہ سے دُعا مانگ رہے ہیں۔ کیونکہ حق کی راہ میں لوگوں نے بڑا اختلاف کیا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ اِس اہم ترین متاع کائنات کو اللہ سے مانگنے سے قبل آپ اللہ کی بارگاہ میں حمد و تقدیس، تمجید و تعظیم کا وسیلہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اللہ رب العزت آپ کی دعا کو جلد قبول فرمالیں۔ اِس دُعا کے پردے میں اُمت کی تعلیم مقصود ہے اور انہیں مشروع وسیلہ کی ترغیب بھی دینی ہے۔

چوتھی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے کہ جب ہم سونے لگیں تو یہ دُعا پڑھ لیا کریں:

اَللّٰھُمَّ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ العَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبُّنَا وَرَبُّ کُلِّ شَیْئٍ فَالِقُ الحَبِّ وَالنَّوٰی مُنزِّلُ التَّورٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْئٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ ' اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ البَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْئٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ ○ (اخرجہ احمد ومسلم والترمذی)

ترجمہ: ''اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب، اور عرش عظیم کے رب، ہمارے اور ہر چیز کے رب' دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والے تورات اور انجیل اور فرقان کے نازل کرنے والے' تیری پناہ چاہتا ہوں ہر چیز کے شر سے جس کی پیشانی تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ' تو ہی اول ہے تجھ سے قبل کچھ نہیں' تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں۔ تو ہی باطن ہے تیرے سوا کچھ نہیں (پس تیرے ورے کوئی چیز نہیں)۔ ہم سے قرض ادا فرما اور ہم کو فقر سے نجات دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرض اور محتاجگی سے نجات پانے کی دعا فرما رہے ہیں اور اس سے اللہ کی قدرت کا حوالہ دے رہے ہیں کہ وہ ارض وسماء اور کائنات کی ہر شئے کا رب ہے وہی دانوں اور گٹھلیوں کو نکالنے والا' انہیں مختلف شکلیں' رنگ اور مزا بخشنے والا ہے۔ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اُس نے مختلف زبانوں میں تورات' انجیل اور قرآن کو نازل فرمایا۔

پھر آپ دنیا کی ہر شئے کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' کیونکہ کائنات کی ہر شئے اللہ ہی کے قہر وسلطان کے تابع ہے، وہ نرالی شان والا سب سے اول ہے' اس سے قبل کوئی چیز نہیں' وہی آخر ہے' اس کے بعد کوئی چیز نہیں' وہی ظاہر ہے اس کے اوپر کوئی نہیں' وہی باطن ہے اُس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی ذات' اسماء وصفات میں نہ اس کا کوئی شریک نہ مثیل' نہ مشابہ نہ ہمسر۔

اِن بلندترین مقدس تسبیحات کو وسیلہ بنا کر آپ قرض کی ادائیگی اور فقر سے نجات کی دُعا مانگ رہے ہیں۔ یہی آپ کا طریقہ تھا کہ اپنی دعاؤں سے قبل بارگاہِ اِلٰہی میں اُس کی ذات وصفات و اسماءِ حسنٰی کا وسیلہ پیش کرتے تھے۔ یہی ہمارا بھی عمل ہونا چاہئے۔ یہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت ومحبت کا تقاضا بھی ہے۔

قرآن کا وسیلہ

<u>پانچویں حدیث:</u>

عمران بن حصین کا بیان ہے کہ وہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو قرآن پڑھ کر بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔''

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيُجِيْئُ اَقْوَامٌ يَقْرَئُوْنَ وَيَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ ○

ترجمہ: ''جو شخص قرآن پڑھے اس کو چاہئے کہ قرآن کے ذریعہ اللہ سے مانگے' جلد ہی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔''

اِس حدیث میں قرآن مجید کو اپنی دعا کا وسیلہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اِس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے جو ذاتِ الٰہی کی طرح مقدس اور پاک ہے۔ اس کی تلاوت' اس کے معنی پر غور و تدبر اور اپنی ذات' اہل و عیال اور اقربا و احباب کی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنا' مقبول عبادت اور اعلیٰ ترین وسیلہ ہے۔ کیوں نہ ہو' قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلوں کی تاریخ ہے اور بعد والوں کی پیشین گوئی ہے۔ وہ تمہارے آپس کا فیصلہ ہے' وہ قطعی فیصلہ ہے' مذاق نہیں ہے۔ جس نے کسی ظالم کی وجہ سے اس کو چھوڑا' اللہ اس کو تباہ کرے گا۔ جس نے قرآن کے علاوہ اور جگہ سے ہدایت چاہی ' اللہ اس کو گمراہ کردے گا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ حکمت بھرا ذکر ہے' وہ صراط مستقیم ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جس سے خواہشات کج نہیں ہوتیں اور نہ اس سے زبانیں مشتبہ ہوتیں اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے اور نہ علماء کبھی اس سے آسودہ ہوں گے۔ جس نے قرآن کے ذریعہ بات کی' سچ کہا' جس نے اس پر عمل کیا' ثواب پائے گا۔ جس نے اس کے ذریعہ فیصلہ کیا ' انصاف کیا' اور جس نے قرآن کی طرف بلایا' اسے صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کی گئی۔

جب اِن اوصاف کریمہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے گی تو قاری کو خود محسوس ہو جائے گا کہ قرآن مجید اللہ کی بارگاہ میں کتنا محبوب وسیلہ ہے اور اس وسیلہ سے مانگی جانے والی دعا ضرور قبول ہوگی' کیونکہ اللہ کے کلام کا وسیلہ دراصل اس کی صفت کا وسیلہ ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ عمل بھی ہے اور سب سے اچھا وسیلہ بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: ''ہر قرآن پڑھنے والے کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔'' یعنی جو شخص قرآن پڑھ کر اس کے وسیلے سے دعا مانگے گا' اُس کی دعا قبول ہوگی۔

افسوس! آج قرآن کی صرف لفظی تلاوت باقی رہ گئی' قاری طوطوں کی طرح رٹ کر اس کو بلا سمجھے پڑھتے ہیں۔اس کو زندگی کا دستور' درس عمل' عبرت ونصیحت' امرونہی' حلال وحرام کا قانون اور ہدایت وبرہان اور حجت ونور بنانے کے بجائے تعویذ وگنڈا' چھومنتر' مُردوں پر قرآن خوانی' اس کی آیات سے ترنم وموسیقی کا سرور اور اسپر شعراء کی طرح داد اور واہ واہ کی بارش' دیواروں اور الماریوں کی تزئین وغیرہ' بس یہ ہے قرآن اور اس کا استعمال۔

اللہ ہم پر رحم فرمائے اور قرآن پر صحیح ایمان اور عمل کی توفیق بخشے اور دورنگی ونفاق سے بچائے ۔(آمین)

آدم علیہ السلام کا اعتراف قصور، ندامت و دعا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف:۲۳)

ترجمہ: ''ان دونوں نے کہا، اے ہمارے رب، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔''

اس آیت کریمہ کے ان کلمات طیبہ کو اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا کہ وہ انہیں وسیلہ بنا کر اللہ سے توبہ کریں اور معافی کی درخواست گذار دیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ:۳۷)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور مشہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ سیکھے ہوئے کلمات آدم علیہ السلام کی یہی مشہور دعاء استغفار ہے جس کے وسیلہ سے ان کی دعا اللہ نے قبول فرمائی۔

اس آیت میں ظاہری وسیلہ ''گناہوں کا اقرار ہے اور ''خطا کا اعتراف'' اور اس پر ''توبہ کی ندامت'' بڑا عظیم اور صالح عمل ہے جو مغفرت کے لئے بڑا محبوب وسیلہ ہے۔ چونکہ اس عمل صالح کی تعلیم خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دی تھی، اس لئے یہ اللہ کا تلقین کردہ وسیلہ ہے۔ اور قرآن میں اللہ نے اسے محض اسی لئے ذکر فرمایا ہے کہ یہ وسیلہ صرف آدم علیہ السلام کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو اس وسیلہ کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور آدم علیہ السلام نے بھی جب تک اس وسیلہ کو استعمال نہیں کیا، اللہ نے ان کی توبہ قبول نہیں فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: ''کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟'' فرمایا گیا بے شک۔'' آدم علیہ السلام نے کہا: اور تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟ فرمایا گیا: ''بے شک'' آدم علیہ السلام نے کہا: ''اور کیا تو نے مجھ پر فرض نہیں کیا کہ میں اس وسیلہ پر عمل کروں؟'' فرمایا گیا: ''بے شک'' آدم نے کہا: ''اگر میں توبہ کر لوں تو کیا مجھے جنت میں دوبارہ نہیں بھیجے گا؟'' فرمایا گیا: ''ضرور'' (مستدرک حاکم)

بس، یہ ہے وہ عمل صالح کا وسیلہ جسے آدم و حوا نے اپنے قصور کے اعتراف و استغفار کے ذریعہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا اور اللہ نے اسے قبول فرمایا اور تصدیق و ترغیب کے لئے اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔ ۞۞۞۞
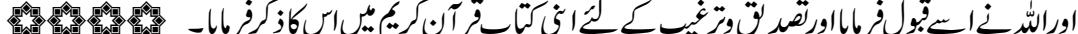
اعمال صالحہ کا وسیلہ

صحابہ کرامؓ کے عمل کی روشنی میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا عملی نمونہ تھے میراث نبوی کے سچے محافظ اور مبلغ تھے۔ جو کچھ آپ سے سنا اور سیکھا' اسے بلاکم وکاست امت تک پہنچا دیا۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حقیقی اور زندہ مثال تھے۔ اعمال صالحہ کے وسیلہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی حجت ہے' ان کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز کے بعد اس طرح دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَمَرْتَنِیْ فَاَطَعْتُکَ وَدَعَوْتَنِیْ فَاَجَبْتُکَ ' وَ ھٰذَا سِحْرٌ فَاغْفِرْلِیْ ○

ترجمہ: ''اے اللہ' تو نے مجھے حکم دیا میں نے تیری اِطاعت کی' اور تو نے مجھے بلایا میں نے قبول کیا۔ یہ سحر کا وقت ہے تو مجھے بخش دے۔''

سحر کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' اٹھ کر نماز پڑھنی بڑا صالح عمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اطاعت اُس کے احکامات کی تعمیل اور سحر کے وقت کی نماز و بیداری کا وسیلہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر کے اپنی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں جو مغفرت اور دعا کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس ہوتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَکَ ' وَ صَلَّیْتُ فَرِیْضَتَکَ ' وَانْتَشَرْتُ ' کَمَا اَمَرْتَنِیْ ' فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ ' وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ ○

ترجمہ: ''اے اللہ' میں نے تیری دعوت قبول کی اور فریضہ جمعہ ادا کیا اور تیرے حکم کے مطابق منتشر ہو گیا اب تو مجھے اپنا فضل عطا کر اور تو ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔''

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے فضل و رزق کی دعا مانگی' لیکن اس سے قبل اذان جمعہ کے وجوب' فریضہ جمعہ کی ادائیگی اور جمعہ کے بعد مسجد سے منتشر ہو جانے کے خداوندی حکم کی تعمیل کا وسیلہ پیش کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے۔

يٰـٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الجمعہ)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔''

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعہ)

ترجمہ: ''اور جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اور اپنے اس عمل صالح کا وسیلہ پیش کرنے کے بعد دعا مانگی' فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ ' وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْن اے اللہ اپنا فضل عطا کر تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرات عراک بن مالک رضی اللہ عنہ دو صحابہ کرام کے عملی نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ یہی طریقہ تمام صحابہ کرامؓ کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے اتباع اور اس کی عملی تطبیق میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے طریق عمل سے معلوم ہوا۔ مشروع وسیلہ بھی ہم نے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان کیا ہے

<u>افسوس:</u>

بدقسمتی سے دھیرے دھیرے مسلمانوں میں بھی غیر مشروع وسیلہ کی بدعت پھیل گئی' اور اب اکثر عوام بلکہ خواص میں بھی (اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰه) وسیلہ کے وقت اللہ کی ذات' اس کے اسماءِ حسنٰی وصفات علیا یا اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ کا تصور بھی دل میں نہیں آتا اور مخلوقات وشخصیات کا ممنوع وسیلہ اختیار کرتے ہیں اور اسی کو نیکی اور عمل خیر سمجھتے ہیں۔ اس طرح سُنّت بدعت بن گئی اور بدعت سُنّت ہو گئی۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ

اور اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ ان نادان لوگوں کو قرآن وسُنّت کے دلائل کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو سمجھنے اور غور کرنے کے بجائے بھڑک اٹھتے ہیں اور غیض وغضب سے ان کی آنکھوں سے سرخ شرارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

برادرانِ اسلام!:

ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو عمل خیر کی دعوت دی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ ایمان کی تمام شاخیں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کے اقرار سے لے کر راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے تک سب چیزیں عمل صالح ہیں اور مسلم معاشرے میں ان سب حسنات واعمال خیر کی اشاعت کے لئے بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے' تاکہ عقیدہ صحیحہ اور عمل صالح اور اِسلامی زندگی کا نور مسلمانوں کے گھروں' سڑکوں' بازاروں' مساجد' دکانوں اور کارخانوں ہر جگہ پھیل جائے اور مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبے اِسلام کے رنگ میں رنگ جائیں۔

یہی اِسلامی زندگی کا عمل صالح کا بہترین وسیلہ اور مسلمانوں کی فلاح وکامرانی کی ضمانت ہے اور امت مسلمہ کا یہی شعار ہے کہ وہ اِسلامی تعلیمات کو زندگی کی تمام شاہراہوں کے لئے مشعل ہدایت اور وسیلہ نجات بنائے۔

مشروع وسیلہ کی تیسری قسم

اپنے مومن بھائی کا دعا کا وسیلہ

گذشتہ صفحات میں مشروع وسیلہ کی تین قسموں میں سے دو یعنی اللہ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کا وسیلہ' دوم اعمال صالحہ کا وسیلہ۔ یہ دونوں مباحث کتاب وسُنّت کے دلائل کی روشنی میں پورے ہوئے ۔ اُمید ہے قارئین کتاب وسیلہ کی ان دونوں قسموں کے مباحث سے پوری طرح مطمئن ہوئے ہوں گے ۔اس لئے کہ کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ کے بعد نہ کوئی دوسری دلیل ہے نہ حجت و برہان ۔ **وما ذا بعد الحق الا الضلال** (حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں)

اب ہم مشروع وسیلہ کی تیسری قسم کی بحث کررہے ہیں اور وہ ہے''مومن کا وسیلہ حاصل کرنا اپنے مومن بھائی کے لئے ۔''اور یہ دو طریقے سے ممکن ہے۔

اول:

ایک مومن بھائی کا دوسرے مومن بھائی سے درخواست کرنا کہ وہ اپنی دعا کے وسیلہ سے اللہ سے اس کی حاجات پوری کرنے کی استدعا کرے ۔مثلاً یوں کہے کہ'' آپ میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت دے' یا میری فلاں ضرورت پوری فرمائے ۔''

دوم:

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس کے کہے بغیر اللہ سے دعا کرے ۔مثلاً کسی بھائی کو کسی مصیبت میں مبتلا پائے اور اس کو دیکھ کر اللہ سے کشادگی کی دعا کرے ۔خواہ وہ بھائی کرنے والے کے پاس ہو یا نہ ہو۔ مثلاً اس کی پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرنا' یا نماز جنازہ' یا قبر کی زیارت کے وقت مسلمانوں کے لئے دعا کرنا۔اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بڑا چھوٹے کے لئے دعا مانگے یا چھوٹا بڑے کے لئے دعا مانگے' سب جائز ہے اور اللہ چاہے تو سب مقبول ہے' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو اس وقت مسلمان استسقاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ اللہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے دعا کرتے تھے اور اللہ آپ کی دعائیں قبول کرتا تھا۔

اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت سے اپنے لئے اِجتماعی یا اِنفرادی طور پر دعا مانگنے کی درخواست کرتے

تھے۔ مثلاً آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص بھی اذان سنے وہ موذن کی اذان کا جواب دے۔ پھر آپ پر درود بھیجے اور آپ کے لئے وسیلہ، فضیلت اور اس مقام محمود کے لئے دعا کرے جس کا اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے۔

اسی طرح آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے لئے عمرہ کے دن اپنے لئے دعا کی درخواست کی۔

اور قرآن وحدیث کے صفحات مومن کی دعا کے وسیلے کی مثالوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

اذان کے بعد کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

جب تم موذن کو (اذان دیتے ہوئے) سنو تو تم بھی ویسے ہی کہو جیسے موذن کہتا ہے۔اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو' اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا' اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا' پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو' اس لئے کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو صرف ایک ہی بندہ اللہ کے لئے مناسب ہے' اور مجھے امید ہے وہ ایک بندہ میں ہوں گا۔پس جو شخص میرے لئے (اللہ سے) وسیلہ مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔'' (مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ موذن کی اذان کے جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور آپ کیلئے وسیلہ مانگنے کا ثواب یہ ہے ک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجنے والے پر اللہ تعالیٰ دس بار درود بھیجے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وسیلہ مانگنے والے کے لئے آپ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

اس حدیث پر غور فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حکم فرما رہے ہیں کہ لوگ آپ کے لئے اللہ سے وسیلہ مانگیں۔آپ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الوَسِیْلَہَ ○

ترجمہ: ''میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو اور وسیلہ جنت کے ایک بلند درجہ کا نام ہے۔''

اس حدیث سے یہ بات کتنی صاف طور پر واضح ہوگئی کہ مومن کی دعا دوسرے مومن کے لئے بارگاہ الٰہی میں بہترین وسیلہ ہے۔اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حکم فرما رہے ہیں کہ آپ کے لئے اللہ سے جنت کا سب سے بلند مقام (مقام محمود) مانگیں۔اور اس کے لئے اذان اور اس کے جواب کے بعد اور درود شریف پڑھ کر یہ اہم دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی' کیونکہ یہ دعا کی قبولیت کا خاص وقت اور درود موثر ذریعہ ہے۔

اس حدیث سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ اعلیٰ شخصیات کے لئے ادنیٰ شخص کی دعا بھی وسیلہ بن سکتی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی سب سے اشرف مخلوق اور اللہ کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سب سے معزز ہستی ہیں' اور اسی

لئے جنت کے سب سے بلند مقام' مقام محمود کا امیدوار و حقدار بھی آپ صرف اپنے کو قرار دے رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان سننے کے بعد کہے گا:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ○ (رواہ البخاری' ابوداؤد' الترمذی' النسائی' ابن ماجہ)

ترجمہ: ''اے اللہ اس پوری دعا کے رب اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب' عطا فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''وسیلہ'' اور فضیلت اور بھیج ان کو مقام محمود میں جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔'' تو اس دعا مانگنے والے کے لئے میری شفاعت حلال ہو گی۔''

یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لئے ایک ترغیب ہے۔ جس کو یہ بات محبوب ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرمائیں تو اس کو چاہئے کہ ہمیشہ ہر اذان کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

اذان کے بعد اس دعا کو پڑھنے کی تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے' جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَا بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ لَا یُرَدُّ ○ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

ترجمہ: ''اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے فلاح دارین کا کتنا بہتر نسخہ تجویز فرمایا کہ ایک طرف وہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے لئے دعا کریں اور امت کی دعا آپ کے درجات کی بلندی اور مقام محمود کے حصول کے لئے بارگاہ الٰہی میں مقبول ''وسیلہ'' بن جائے اور اس دعا کی برکت سے آپ کی شفاعت آپ کی امت کے لئے حلال ہو جائے۔ انشاء اللہ' اللہ کا وعدہ پورا ہو گا اور امت کی دعائیں آپ کے حق میں وسیلہ ثابت ہوں گی' اور قیامت کے دن آپ مقام محمود میں داخل ہوں گے۔

مومن کے لئے دوسرے مومن بھائی کی دعا کے مشروع ہونے کی اس سے بہتر دلیل آپ کو اور کہاں مل سکتی ہے؟

حاجی کی دعا کا وسیلہ

ابوالزبیر'صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے روایت کرتے ہیں کہ میں شام آیا اور ابودرداء کے گھر گیا تو ان کو موجود نہیں پایا'البتہ اُمّ درداء ملیں اور مجھ سے پوچھا کہ ''اس سال تم حج کا ارادہ رکھتے ہو؟''میں نے کہا ''ہاں''اُمّ درداء نے کہا ''پھر ہمارے لئے دعائے خیر کرنا'اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے'مسلمان کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کی غائبانہ قبول ہوتی ہے دعا کرنے والے کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو دعا کرنے والے کے لئے کہتا ہے'تیرے لئے بھی ایسا ہو اور اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔''صفوان کہتے ہیں کہ میں بازار کی طرف نکلا تو ابودرداء بھی مل گئے اور انہوں نے بھی اُمّ درداء ہی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کرتے ہوئے کہا (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم اپنے بھائی کی دعا کا وسیلہ بارگاہ الٰہی میں لے لیں'اور جو لوگ اپنے بھائی کے لئے غائبانہ طور پر دعا مانگتے ہیں'ان کے اس عمل صالح کا یہ ثواب ہے خود ان کی دعا پر فرشتے آمین کہہ کر ان کے لئے بھی اسی قسم کی دعا کرتے ہیں۔

اس طرح اُمّ درداء نے حضرت صفوان کی دعا کو وسیلہ بنایا اور صفوان نے اپنے لئے فرشتوں کی دعا کو وسیلہ بنایا۔معلوم ہوا کہ مومن کی دعا اپنے بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے'اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا رواج عام تھا۔

حضرت اُمّ سلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے وسیلہ بنایا۔مرگی کی مریض عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اویس قرنی کی دعا کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا تھا۔

اس طرح اس مضمون کی متعدد احادیث کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا جس سے اس مشروع وسیلہ کی وضاحت کما حقہ ہوگئی۔مشروع وسیلے کی تینوں اقسام کا تفصیل سے ذکر کر دیا گیا اور استطاعت بھر اس کی مشروعیت کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے'اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین'

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

مختار احمد ندوی حفظہ اللہ

وسیلہ کے موضوع پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور رسالہ ''قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ'' سند کی حیثیت رکھتا ہے اس کی ہر سطر آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے' لیکن علامہ رحمہ اللہ کی بھاری بھرکم علمی شخصیت کی طرح وہ بڑا دقیق اور منطقی طرز استدلال کا حامل ہے۔ضرورت تھی کہ اس اہم موضوع کو عام فہم انداز میں اس طرح پیش کیا جائے کہ وسیلہ کی حقیقت خاص و عام پر منکشف ہو جائے اور لوگ کتاب وسنت کی روشنی میں مشروع وسیلہ کو اچھی طرح سمجھ جائیں' چونکہ ممنوع وسیلہ کی گمراہی عام طور پر عوام الناس اور دین سے غافل لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے' اس لئے اس نازک مسئلے کو دِل نشین کرنے کے لئے ان کی فہم واستعداد کے مطابق آسان اور عام فہم کتاب کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔

خوش قسمتی سے سال گذشتہ سفر حج کے موقع پر علامہ شیخ محمد نسیب الرفاعی جو حلب کے مشہور سلفی عالم اور کتاب وسُنّت کے پرجوش داعی اور مبلغ ہیں' سے ملاقات کا کئی بار موقع ملا۔علامہ موصوف نے اپنی تازہ تصنیف ''التوصل الی حقیقۃ التوسل'' مجھے ازراہ محبت وہدیہ پیش کی۔کتاب کا موضوع طرز تحریر' ترتیب اور افادیت ہر اعتبار سے کتاب جاذب اور مرغوب خاطر ثابت ہوئی۔

چند ماہ کی محنت کے بعد جب ترجمہ وکتابت کے مراحل طے کر کے کتاب طباعت کے لئے پریس جارہی تھی تو جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ایک ہونہار اور صالح طالب علم نے محدث العصر محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التوسل انواعہ واحکامہ'' مجھے پیش کی۔علامہ موصوف کی نادرۂ روزگار شخصیت اور ان کے موجودہ علمی مقام کا تصور کر کے وسیلہ کے موضوع پر ان کی یہ کتاب مجھے ایک بیش بہا علمی تحفہ معلوم ہوئی' اگرچہ دونوں کتابوں کے طرز نگارش اور انداز بیان میں بڑا نمایاں فرق ہے' لیکن یہ دونوں ہی کتابیں انتہائی قابل قدر اور لائق استفادہ ہیں۔احباب ومخلصین کے مشورہ سے علامہ البانی رحمہ اللہ کی

کتاب کا ابتدائی ثلث حصہ بطور مقدمہ کتاب کے شروع میں شامل کر دیا گیا تا کہ کتاب مجمع البحرین کی حیثیت سے دوگونہ مفید ثابت ہو۔ وسیلہ کی بابت عوام میں جو گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جس سے عوام الناس کا عقیدہ زیروبالا ہو چکا ہے۔اس کے پیش نظر کتاب کی عام اور بڑی تعداد میں اشاعت کی ضرورت ہے۔انتھی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دور حاضر کے ان دونوں عظیم سلفی علماء کی کوششوں کو قبول فرمائے اور مترجم مختار احمد ندوی حفظہ اللہ اور ناشر نعمانی کتب خانہ حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور انٹرنیٹ پر اس کتاب کی اشاعت کو ہم سب کے لئے وسیلہ نجات بنائے۔(آمین)

دعاؤں کے طالب

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

ممنوع وسیلہ کا بیان

اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصد ہی یہ کہ ممنوع وسیلہ کی تعریف اور اس کا تفصیلی بیان کیا جائے، لیکن ممنوع وسیلہ کے بیان سے قبل مشروع وسیلہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لوگ اس کے مضبوط دلائل پڑھ کر یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی وسیلہ و تقرّب کو قبول کرتا ہے جو اس نے خود مشروع کیا ہے، اور ''مشروع وسیلہ'' کو اسی لئے ''مشروع'' کہا بھی گیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے ۔لہٰذا تمام اہل یمان کا فرض ہے کہ اسی وسیلہ کو اختیار کریں، اپنی من مانی نہیں، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشروع و مامور سمجھ کر اختیار کریں۔

جب ہم مشروع وسیلہ کا بیان، اس کے مضبوط اور روشن دلائل کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی وسیلہ کو اللہ تعالیٰ سے سیکھا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے اسی وسیلہ کو اختیار کیا اور قیامت تک یہی وسیلہ امت کے لئے مشروع و مقبول ہے، تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس سے عام مسلمانوں پر گہرا اثر پڑے گا۔

جو لوگ ممنوعہ وسیلہ کے قائل ہیں وہ مشروع وسیلہ کے مضبوط دلائل اور الہامی حجت و براہین کو پڑھ کر اپنے بے بنیاد غلط معتقدات پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہوں گے اور جب دلائل محمدیہ اور براہین مصطفویہ کی طاقت وزور کے سامنے اپنے کمزور و بُودے تصورات کی بے وقعتی کا مشاہدہ کریں گے تو وہ مشروع وسیلہ کی اسی روشن اور حق و ہدایت سے معمور شاہراہ پر چل پڑیں گے۔

اور جو لوگ مشروع وسیلہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کے دلائل پڑھ کر مزید اطمینان حاصل کریں گے۔ان کے قلوب حق کے نور سے مزید روشن ہوں گے۔اور انہیں مشروع وسیلہ کی حقانیت و مقبولیت پر اور زیادہ جماؤ اور رسوخ حاصل ہوگا اور وہ اپنے ان بھائیوں کی طرح محبت اور جوش کے ساتھ لپکیں گے جنہوں نے مشروع وسیلہ کے ایمان افروز دلائل پڑھ کر اپنے قلوب کو روشن کیا اور حق کی اسی شاہراہ پر چل پڑے جس پر یہ پہلے سے چلتے آرہے تھے اور دونوں مل کر حق و ہدایت کے لئے توفیق پانے پر اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

بس اس کتاب کی تالیف کا حقیقی مقصد ہی یہ ہے کہ امت مسلمہ کی صف بندی کی جائے اور حق ہدایت کے مرکز پر سب کو جمع کیا جائے اور امت محمدیہ کے انتشار و افتراق کو ختم کر کے سب میں ''ایک امت'' ہونے کا جذبہ پیدا کیا جائے اور غلط عقائد کی بنیاد پر خود ساختہ دلائل کی آڑ لے کر جو لوگ امت مسلمہ میں اختلاف و گروہ بندی پیدا کر رہے ہیں ان کا منہ بند کیا جائے۔اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس دین کی حفاظت کا انتظام کیا ہے اور حق کی راہ خوب روشن کر دی ہے جن کی آنکھیں کھلی ہوں گی وہ نور حق کی روشنی میں صراط مستقیم پر ہی چلیں گے ور جو ضد اور ہٹ پر قائم رہیں گے ان سب کے لئے خسران و ضلال کے سوا کچھ نہیں۔

ممنوع وسیلہ کی تعریف:

ممنوع وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اللہ کا تقرب ایسے عمل کے ذریعہ حاصل کرنا چاہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ہو۔

مثلاً آسمان وزمین میں اللہ کی جو مخلوقات ہیں ان کی ذات کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے' جیسے فرشتے' انبیاء' صالحین۔ان بزرگوں کے صالح اعمال کی اتباع کئے بغیر صرف ان کی ذات کو وسیلہ بنائے ۔اس طرح مقدس مقامات کا وسیلہ لے۔مثلاً کعبۃ اللہ' مشعر الحرام' رمضان المبارک' شب قدر ذی الحجہ اور دوسرے حرمت والے مہینوں کو وسیلہ بنائے' لیکن ان میں جن اعمال کے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کی پرواہ نہ کرے۔

ممنوع وسیلہ کا حکم:

ممنوع وسیلہ حرام ہے۔البتہ اس کی حرمت' وسیلہ کی نوعیت اور اس کے طریقوں کے اعتبار سے سمجھی جائے گی۔

حرام وسیلہ کی اعلیٰ قسم تو کفر ہے اور سب سے ادنیٰ قسم وہ ہے جس میں کسی شرعی عمل کی مخالفت ہوتی ہو۔

حرام وسیلہ اختیار کرنے والے کو روکنا چاہئے' پہلے اس کو توبہ کرانی چاہئے ورنہ مسلمانوں کے امام وپیشوا کو اختیار ہے کہ ہر اس حد کو جاری کرسکتا ہے جس سے حرام وسیلہ اختیار کرنے والے کو ارتکاب جرم سے باز رکھا جاسکے البتہ سزا سے قبل اس کو دلائل وبراہین سے قائل کیا جائے اور وعظ ونصیحت کر کے اس کو فعل حرام سے بچنے کی تلقین کی جائے ۔لیکن اگر کوئی شخص ممنوع وحرام وسیلہ کا مرتکب ہی ہوجائے تو خواہ جان بوجھ کر کہا ہو یا جہالت علمی سے کہا ہو' بھول چوک سے کیا ہو یا قصداً جان بوجھ کر کیا ہو۔جس درجہ ونوعیت کا وسیلہ اختیار کیا ہوگا اسی قسم کی سزا حکم کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ضلالت کی راہ پر بھٹکنے سے بچائے اور حق سننے اور اس پر عمل واتباع کی سعادت عطا فرمائے۔آمین

ممنوع وسیلہ کے اقسام:

جو لوگ ممنوع وحرام وسیلہ کو حلال سمجھتے ہیں وہ اسے تین طریقے سے کرتے ہیں۔

اول:

کسی ذات اور شخص کو وسیلہ بنانا۔مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہے کہ اے اللہ' میں تیری بارگاہ میں فلاں شخص کا وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہوں کہ تو اس کے وسیلے سے میری حاجت پوری فرمادے۔وسیلہ لینے والے کے دل میں ''فلاں شخص'' سے اس شخص کی ذات مراد ہو۔

دوم:

کسی کے جاہ، حق، حرمت اور برکت کا وسیلہ لینا۔ مثلاً وسیلہ لینے والا کہے: ''اے اللہ فلاں شخص کا تیرے پاس جو مرتبہ ہے اس کو وسیلہ بناتا ہوں، یا فلاں شخص کا تجھ پر جو حق ہے اس کو وسیلہ بناتا ہوں، یا اس شخص کی حرمت اور برکت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔''

سوم:

کسی کے وسیلہ سے اللہ کی قسم کھانا۔ مثلاً کہنے والا کہے۔ ''اے اللہ فلاں شخص کے وسیلہ سے تجھ پر قسم کھاتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔''

ممنوع وسیلہ کو حلال سمجھنے والے انہیں تین طریقوں پر وسیلہ لیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ہی طریقے باطل اور اصول دین کے مخالف ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وسیلہ مذکورہ بالا تینوں طریقے شرع کے خلاف اور ممنوع وحرام ہیں، لہٰذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی بھی طریقہ کو استعمال کرے، اور ان تینوں کو حلال سمجھنے والے انہیں تقرّب الٰہی کا بہتر ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کو دعا کی قبولیت کا مؤثر وسیلہ سمجھتے ہیں تو آخر یہ تضاد اور اختلاف کیسے ختم ہو؟ لیکن یہ کچھ مشکل بات نہیں۔

اختلاف کوئی نئی چیز نہیں، اور صرف ہمارے ہی اندر اختلاف نہیں ہوا ہے۔ اختلافات کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کرنے کی بھی راہ متعین فرمادی، اور وہ یہ کہ جب ہم کسی بات میں اختلاف کریں تو اللہ اور اس کے رسول کی سُنّت کو حکم بنالیں اا ور اپنا اختلاف ان کے سامنے پیش کردیں، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

يَآ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاوِيْلًا ○ (النساء:۵۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔''

ظاہر ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اختلاف کرنے والے دونوں ہی گروہ اللہ اور اس کے رسول کو حکم بنانے اور فیصلے کو برحق ماننے اور ان پر عمل کرنے کے لئے پابند ہیں، کیونکہ اگر ایسا نہیں تو پھر ایمان ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (النساء:٦٥)

ترجمہ: ''تیرے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

لہٰذا جب دونوں ہی فریق اللہ اور اس کے رسول کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرنے اور ان کا فیصلہ ماننے اور عمل کرنے پر متفق اور راضی ہیں تو آیئے دونوں ہی فریق اپنا اپنا مقدمہ اپنے دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم نے شروع ہی میں مشروع وسیلہ کی وضاحت کردی ہے، اور قرآن وحدیث، نیز صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اعمال سے اس کے مشروع ہونے کے دلائل دے دیئے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ شارع علیہ السلام نے اسی مشروع وسیلہ کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

البتہ ہم نے کتاب اللہ و سُنّت رسول اللہ میں کہیں بھی اس ممنوع وسیلہ کا ذکر نہیں پایا جس کے حلال و مشروع ہونے کا ہمارے مخالفین دعوی کررہے ہیں۔ اگر یہ وسیلہ بھی مشروع ہوتا تو اس کا ذکر شارع علیہ السلام ضرور کرتے اور اس پر بھی عمل کرنے کی ترغیب دیتے، یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اتنی اہم بات کو اللہ رب العالمین بیان نہ فرماتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ سے باز رہتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ میں اس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وسیلہ مشروع ہی نہیں۔ اب جب مشروع ہیں تو صاف واضح ہے کہ یہ ممنوع اور حرام ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا تفصیلات سے فریق مخالف کے ممنوع وسیلہ کا غیر شرعی ہونا ثابت ہوگیا، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس کے ممنوع ہونے کے مزید دلائل بھی بیان کردیں۔

ممنوع وسیلہ کی پہلی قسم

کسی شخص کی ذات کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ لینا ایک غیر شرعی عمل ہے جس کا نہ اللہ نے حکم دیا ہے' نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تبلیغ فرمائی ہے' بلکہ اللہ نے عمل اور اتباع سے خالی اس وسیلہ کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ اس مذموم وسیلہ کے مرتکب مشرکین کی بابت اللہ نے فرمایا ہے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ○ (الزمر:۳)

ترجمہ: ''دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے ہے' اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں' تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ اس جھوٹے شخص کو جو جھوٹا' ناشکرا ہے' ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت میں کسی شخص کی ذات کو وسیلہ بنانے کو اللہ نے رد کر دیا ہے اور اسے قبول نہیں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو باتوں پر مذمت فرمائی ہے۔

اول:- اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی پر۔

دوم:- اشخاص اور مخلوقات کو اللہ کی بارگاہ میں تقرّب کا ذریعہ بنانے پر۔ کیونکہ یہ دونوں ہی باتیں عیب اور گناہ' باطل اور جھوٹ اور گمراہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا۔ ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا۔ اور وہ خاطر جمع سے بالا خانوں میں بیٹھے ہوں گے۔'' (سبا:۳۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے نزدیک مقرب ہوتے ہیں اور بڑے بڑے رتبے پاتے ہیں اور جن کی نیکیوں کا اجر بڑھایا جاتا ہے تو یہ سب کچھ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان کے مرتبہ اور واسطے سے کچھ نہیں ملتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ارشاد:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پوچھا گیا کہ دو آدمیوں نے آپس میں مناظرہ کیا۔ ایک نے کہا: اللہ اور ہمارے درمیان واسطہ ہونا ضروری ہے' کیونکہ ہم اس کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔''

اس کا جواب حضرت شیخ الاسلام نے یہ دیا:

''الحمدللہ رب العالمین! اگر سائل نے واسطہ یہ مراد یہ لی ہے کہ ایسا واسطہ ضروری ہے جو ہمیں اللہ کا حکم پہنچائے تو یہ حق اور درست ہے۔ اس لئے کہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کی مرضی اور پسند کیا ہے؟ کس چیز کا اس نے حکم دیا اور کس سے منع کیا؟ اور اپنے دوستوں کے لئے کیا انعام واکرام تیار کر رکھا ہے' اور اپنے دشمنوں کے لئے کس عذاب کا وعدہ کیا ہے؟ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ اپنے کس اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کا حق دار ہے جن کو جاننے سے عقل عاجز ہے۔ یہ سب باتیں صرف انہیں رسولوں کے ذریعہ معلوم ہوسکتی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ تو جو لوگ رسولوں پر ایمان لاتے ہیں' ان کی اتباع کرتے ہیں' وہ ہدایت پر ہیں۔ انہیں اللہ اپنے نزدیک کرتا ہے' ان کے درجات بلند کرتا ہے' انہیں دنیا وآخرت میں عزت دیتا ہے' اور جو لوگ رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں' وہ ملعون ہیں' اپنے رب سے دور اور محروم ہیں۔

لیکن اگر سائل کی مراد واسطہ سے یہ ہے کہ یہ واسطہ نفع حاصل کرنے' نقصان دور کرانے کے لئے ہے۔ مثلاً یہ واسطہ لوگوں کو روزی دلانے' ان کی مدد اور ہدایت کے لئے ہے اور اسی کا لوگ ان سے سوال کرتے ہیں اور اسی کے لئے ان کے پاس جائیں' تو یہ وہ عظیم ترین شرک ہے جس کی بناء پر اللہ نے مشرکین کو کافر کہا ہے۔ کیونکہ ان مشرکین نے اللہ کے علاوہ دوسروں کو سفارشی بنایا تھا' انہیں سے نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے کی درخواست کرتے تھے۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

دُرّ ''مختار'' اور ''تاتارخانیہ'' میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کو اس کی ذات کے سوا کسی اور ذریعہ سے پکارے' اور جس دعا کا حکم اور اجازت دی گئی ہے وہ اس آیت کے مطابق ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: ''اور اللہ کے اچھے نام ہیں انہیں ناموں سے اس کو پکارو۔''

ابن عربی کا قول:

مشہور صوفی ابن عربی نے ''فتوحات مکیہ'' میں کہا ''اللہ نے اپنی حجت بندوں پر قائم کردی ہے اور ان کو اللہ پر حجت قائم

کرنے کا موقع نہیں دیا ہے۔لہٰذا اللہ کے پاس اس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کا وسیلہ لینا جائز نہیں۔اس لئے کہ وسیلہ کہتے ہیں ''قرب حاصل کرنے کو۔'' اور اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے اور اس کی خبر سچی ہے۔

یہ ابن عربی شام (دمشق) کا بہت مشہور صوفی گذرا ہے۔علماء متفق ہیں کہ یہ شخص طاغوت تھا اسکے عقیدہ کفر کی وجہ سے علماء نے اس کی تکفیر کی ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جو ابن عربی لعنۃ اللہ علیہ کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے شاید مصنف محمد نسیب الرفاعی حفظہ اللہ نے اس کا قول وسیلہ کی بابت دمشق کے مشرکین کی تردید میں نقل کیا ہے۔بہر حال اس نے وسیلہ کے بارے میں حق بات کی ہے۔(جیسا کہ شیطان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حق بات بتلائی تھی)(بخاری)

❁❁❁❁

ممنوع وسیلہ کی دوسری قسم

اللہ کے یہاں کسی کے مرتبہ یا حق یا حرمت وغیرہ کا وسیلہ چاہنا

اللہ کے یہاں کسی کے مرتبہ یا اس کی حرمت وعزت کا وسیلہ لینا غیر شرعی عمل ہے۔اللہ نے نہ اسے مشروع کیا' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم تک پہنچایا' نہ اس کا حکم دیا' نہ اس کی تاکید کی' اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا عمل اس پر ثابت ہوا.

جو لوگ اس قسم کے وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں ہم ان کے سامنے ایک سوال پیش کرتے ہیں' کہ جس شخص کے جاہ ومرتبہ اور حرمت کے وسیلہ سے تم اللہ سے سوال کرتے ہو' اللہ کے نزدیک ان کو یہ مرتبہ اور عزت کیسے مل گئی؟ کیا یہ سب عزت ومرتبہ انہیں محض اس لئے ملا کہ انہوں نے اپنے رب کی اطاعت کی' اس کے احکامات پر عمل کیا' اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہے' انہوں نے اچھے بھلائی کے کام کئے' اللہ کی راہ میں جہاد کیا' لوگوں میں اس کی دعوت کو پھیلایا' اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔کیا ایسا نہیں ہوا؟ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو نہ انہیں یہ جاہ وعزت ملتی اور نہ یہ بلند مرتبہ نصیب ہوتا۔

جب حقیقت یہی ہے تو بتاؤ کہ ان کے ان اعمال حسنہ میں سے کیا تم کو بھی کچھ حصہ ملے گا؟ ظاہر ہے کہ تم یہی جواب دوگے کہ ہم کو ان کی نیکیوں میں سے کچھ نہیں ملے گا' بلکہ ان کا عمل صرف انہیں کے لئے' اور کسی کو بھی اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ہم کہیں گے کہ آپ کا یہ جواب بالکل حق اور درست ہے۔

جب آپ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ عزت ومرتبہ انہیں محض ان کی اپنی کوشش سے حاصل ہوا' اور ان کی کوشش کا پھل صرف انہیں کو ملے گا' کسی کو ان میں سے کچھ نہیں ملنے والا ہے' تو بتاؤ کہ جس جاہ ومرتبہ کے تم مالک نہیں ہو اس کو اللہ کے یہاں وسیلہ کیوں بناتے ہو؟ جب تمہارا اس پر ذرہ برابر حق نہیں' تو اس حق کا واسطہ کیوں دیتے ہو؟ اللہ کا تو ارشاد ہے۔

وَاَنَّ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ، وَاَنَّ سَعۡيَهٗ سَوۡفَ يُرٰى ، ثُمَّ يُجۡزٰٮهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰى ○

ترجمہ:''اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی' پھر اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔'' (النجم:۴۱)

مذکورہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں مردود ہے' کیونکہ وہ شرع وحکم الٰہی کے مطابق نہیں۔نیز یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی بھی ہے' اس لئے اس پر سزا بھی ہوگی۔کیونکہ حکم الٰہی کی مخالفت گناہ ہے' اور گناہ کی سزا لازم ہے۔

امت کے جو صالح افراد اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ کو پیارے ہوگئے وہ ان شاء اللہ' اللہ کی رحمت ومغفرت' عفو وکرم اور انعام ورضا کی وسیع جنت میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے' کیونکہ یہ ان کی نیکیوں کی جزا اور کوششوں کا پھل ہے۔کسی اور کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کی نیکیوں کو اپنے لئے وسیلہ بنائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اسلاف کی نیکیوں کا احسان اللہ پر جتائے اور اس پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ یہ نیکیاں اس کا ذاتی عمل نہیں ہیں جن کے ثواب کا وہ مستحق ہو۔ غار میں پناہ لینے والے تینوں اشخاص کی مثال سامنے ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کے اعمال کا وسیلہ نہیں۔ بلکہ خود اپنے اعمال کو وسیلہ بنایا۔

بزرگان دین کے اعمال کا وسیلہ لینے والوں سے ہم کہیں گے کہ آپ لوگ بھی ویسے ہی اعمال کیوں نہیں کرتے جیسے آپ کے بزرگ کیا کرتے تھے اور جس طرح وہ اپنے اعمال کا وسیلہ لیا کرتے تھے آپ لوگ بھی اپنے اعمال کا وسیلہ کیوں نہیں لیتے، تاکہ جس طرح انہیں قرب الٰہی حاصل ہوا، آپ کو بھی حاصل ہو۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَسْنَا وَاِنْ اَحْسَابُنَا کَرُمَتْ — یَوماً عَلَی الْاٰبَاءِ نَتَّکِلُ

ہمارا خاندان اگر بڑا شریف ہے لیکن ہم خاندانی شرافت پر ایک دن کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتے

نَبْنِی کَمَا کَانَتْ اَوَائِلُنَا — تَبْنِی وَتَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلُوا

ہمارے بزرگوں نے جس طرح اعمال کئے ویسے ہی ہم بھی کرتے ہیں

شارح عقیدہ طحاویہ کا بیان:

دعا کی قبولیت اور صاحب وسیلہ کی نیکی کے درمیان کیا تعلق؟ مثلاً وسیلہ لینے والا کہے گا کہ ”اے اللہ! تیرے فلاں بندے کے صالح ہونے کے سبب سے میری دعا قبول فرما۔“ آخر دعا سے اس کا کیا تعلق؟ یہ تو دعا میں ایک طرح کی ہٹ دھرمی ہوئی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ (الاعراف:۵۵)

ترجمہ: ”لوگو اپنے رب سے چپکے چپکے اور عاجزی سے دعائیں مانگا کرو وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

یہ اور اس قسم کی دعائیں اہل بدعت ہی کا وظیفہ ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین غرض کسی سے بھی اس قسم کی دعائیں منقول نہیں، بلکہ ان کا رواج تعویذ گنڈے والے اصحاب طریقت ہی کے یہاں ہے۔ دعا تو افضل ترین عبادت ہے اور عبادت کی بنیاد سُنّت اور اتباع پر ہے، ہوی و بدعات پر نہیں۔

❁❁❁❁

ممنوع وسیلہ کی تیسری قسم

اللہ پر صاحب وسیلہ کی قسم کھانا

قسم اور حلف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نام سے لی جائے۔ کیونکہ قسم عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جب کسی کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔'' اور ترمذی میں ہے کہ۔ ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر حرام ہے تو پھر کسی مخلوق کے نام کی قسم خالق پر کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ مثلاً اگر کوئی کہے کہ ''اے اللہ تجھ پر فلاں بزرگ کی قسم کھاتا ہوں' یا فلاں کے حق کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کر''۔ ایسا کہنا سراسر حرام ہے۔

مخلوق کے بارے میں تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اس کے سامنے کسی بڑے یا معزز شخص کی قسم کھائی جائے تو وہ اس سے متاثر ہوکر اپنا ارادہ بدل سکتا ہے اور آپ جیسی کرسکتا ہے' لیکن اللہ رب العالمین کسی کی قسم سے متاثر ہوکر اپنا ارادہ نہیں بدلتا' نہ اللہ پر کوئی اپنی جیسی مسلط کرسکتا نہ اس کے ارادے سے کوئی اس کو باز رکھ سکتا ہے۔ وہ ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو ارشاد ہے:

وَھُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْہِ ○ (المومنون:۸۸)

ترجمہ: ''اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔''

اللہ تو اس عظمت کا مالک ہے کہ جس سے بڑا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں' نہ کوئی اس کی مخالفت کرسکتا نہ اسے روک سکتا ہے۔ جو اس نے چاہا' ہوا' جو نہیں چاہا' نہیں ہوا' جب اللہ کی یہ عظیم شان ہے تو بھلا اس پر کسی مخلوق کی قسم کیسے کھائی جاسکتی ہے؟ اس کی ذات تو ایسی برتر ومقدس واعلیٰ ہے کہ مخلوق پر اس کی قسم کھانی چاہیئے' نہ کہ الٹے مخلوق کی قسم اس کھائی جائے۔

ذرا سوچیۓ! اللہ پر کسی مخلوق کی قسم کھانی صرف شرک ہی نہیں' بلکہ شرک کے ذریعہ اللہ کا تقرّب حاصل کرنا ہے۔ اور تقرّب کے لئے تو ضروری ہے کہ ایسی چیز کے ذریعہ حاصل کیا جائے، جس سے تقرّب دینے والا خوش ہو' اور یہ بات کوئی عقل مند آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی کا تقرّب اس کی ناپسندیدہ چیز سے حاصل کیا جائے۔

یہ حضرات اللہ پر اس کی مخلوق کی قسم کھاتے ہیں اور اسی قسم کے ذریعہ اس کا تقرّب حاصل کرتے ہیں' جب کہ اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کے ساتھ بندوں کو شریک کیا جائے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ شرک کرتے ہیں' بلکہ شرک کو تقرّب الٰہی کا ذریعہ بھی بناتے ہیں۔ ایسی عقل پر ماتم کرنا چاہیۓ

ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جب قسم عبادت ہے تو بتاؤ کہ جس کی قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوتا ہے یا جس پر قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوتا

ہے۔تو سوچو کہ جب ہم کسی مخلوق کی قسم اللہ پر کھاتے ہیں تو ایسی صورت میں مخلوق خالق سے بڑی ہوگئی (اس شرک اور کفر سے اللہ کی پناہ) علماء نے مخلوق کی قسم کھانے سے شدت سے روکا ہے اور اس پر سخت تنبیہ کی ہے' کیونکہ اس میں شرک کے ساتھ الوہیت ربانی کے ساتھ زبردست ٹکراؤ بھی ہے۔

شارح عقیدہ طحاویہ کا بیان ہے کہ کسی کے حق کی اللہ پر قسم کھانا حرام ہے' کیونکہ مخلوق کی قسم مخلوق پر تو جائز نہیں' پھر بھلا خالق پر کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَن حَلَفَ بِغَيرِ اللهِ فَقَدْ اَشْرَکَ ○

ترجمہ: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبین کا قول ہے کہ ''دعا کرنے والے کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ یوں دعا کرے ۔''اے اللہ' میں تجھ سے سوال کرتا ہوں فلاں کے حق کے واسطے سے' تیرے نبیوں کے اور رسولوں کے حق کے واسطے سے' بیت اللہ الحرام اور مشعر الحرام کے حق کے واسطے سے'' ایسا کہنا بھی حرام ہے کہ ''اے اللہ تیرے نزدیک فلاں کے مرتبہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں' تیرے انبیاء اور اولیاء کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔''

اگر یہ وسیلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لیتے تھے تو ایسا ہی وہ آپ کی وفات کے بعد بھی کرتے۔ حالانکہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے' آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور پھر آپ کی دعا پر سب مل کر آمین کہتے تھے' جیسے کہ استسقاء وغیرہ میں ان کا معمول تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور لوگ استسقاء کیلئے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے اللہ' جب ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تھے تو ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے، اور تو ہمیں سیراب کرتا تھا' اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں۔'' یعنی تیرے نبی کی زندگی میں ان کی دعا وسیلہ ہوتی تھی اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے چچا کی دعا ہمارے لئے وسیلہ ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہتے تھے۔ کہ ہم تجھ پر تیرے نبی کی یا تیرے نبی کے چچا کی قسم کھاتے ہیں' یا ان کے جاہ و حق کے واسطے سے دعا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کو وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ آپ کے چچا سے بہرحال بلند تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس طرح دعا مانگی۔ ''اے اللہ! میرے باپ دادا کا جو تجھ پر حق ہے اس کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے وحی کے ذریعہ پوچھا ''داؤد تیرے باپ دادا کا مجھ پر کیا حق ہے؟''

شیخ ابوالحسن القدوری کا بیان ہے کہ غیر اللہ کے نام سے سوال کرنا حرام ہے' کیونکہ غیر اللہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں۔ حق تو اللہ کا اس کی مخلوق پر ہے۔ جب مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں تو اس حق کے واسطے سے سوال کرنا کس طرح جائز ہے؟

ابن بلاجی نے ''شرح المختار'' میں کہا ہے کہ ''اللہ سے صرف اسی کے نام سے دعا مانگی جائے اور یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فرشتوں یا تیرے انبیاء کے وسطے سے۔ کیوں کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔''

اور شیخ نعمان خیرالدین حنفی نے ''جلاء العینین'' میں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور نام سے دعا مانگے۔ اور تمام حنفی کتابوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ انبیاء اولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی حرمت ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کی حرمت اور اس کے غیر شرعی ہونے کے دلائل کو اب ہم یہاں ختم کر رہے ہیں۔ اس ممنوع وسیلہ کے تمام اقسام کے باطل و حرام ہونے کو ہم نے الحمدللہ پوری طرح ثابت کر دیا ہے اور یہ واضح ہو گیا کہ یہ وسیلے کتاب و سُنّت کے خلاف اور حق و صواب سے دور و نفور ہیں۔

اور اب ہم اِس ممنوع وسیلہ کو حلال سمجھنے والوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے دلائل پیش کریں، اگر ان کے دلائل فی الواقع قرآن اور سنّت صحیحہ کے مطابق ثابت ہوئے تو ہم کھلے دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان کے دلائل کی حقانیت ثابت ہوتے ہی ہم حق کے سامنے جھک جائیں گے۔

اسی طرح ہم ان سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے دلائل کے باطل ہونے کا ثبوت پاتے ہی حق کا ساتھ دیں، اور اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کریں، اور اللہ سے معافی کے طلب گار رہوں، تا کہ دونوں ہی صورتوں میں حق کی فتح ہو، اور باطل کو شکست اور وہ مغلوب ہو جائے، اور ہم دونوں ہی مل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھام لیں اور آپ کی اس وراثت کو حاصل کر لیں جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وارث بنایا ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب اور آپ کی سُنّت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا ، کِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِیْ ○

ترجمہ: ''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑ دیں ہیں۔ جب تک تم ان کو مضبوط تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور میری سُنّت۔''

آؤ ہم اس روشن اور مبارک عہد کی طرف لوٹیں جو قیامت تک کے لئے خیر القرون ہے۔ اگر چہ ہم اور ہماری اولا دنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحبت نہیں پائی، لیکن آپ کی پاک سانس جو ان سطروں میں خوشبو پھیلا رہی ہے اس سے ضرور مشرف ہوئے ہیں۔ سچ ہے۔ ؎

اَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمُوْا اَهْلِ النَّبِيِّ وَإِنْ   لَمْ يَصحَبُوْا نَفْسَهٗ اَنْفَاسَهٗ صحِبُوا

اہل حدیث ہی حقیقت میں نبی کے ساتھی ہیں۔انہوں نے آپ
کی صحبت ذاتی اگرچہ نہیں پائی لیکن آپ کی مبارک سانسوں
(ارشادات طیبہ) کی صحبت ضرور پائی

لیجئے' اب ہمارے دوستوں سے ان کے دلائل سنئے' آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حق وصواب پر کون ہے؟

❁❁❁❁

ممنوع وسیلہ کا بیان

قائلین کے دلائل

جولوگ ممنوع وسیلہ کے قائل ہیں وہ اپنی تائید میں قرآن مجید کی ان آیات کو عموماً پیش کرتے ہیں

۱۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو' تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔'' (المائدہ:۳۵)

۲۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ (الاسراء)۵۷۔

ترجمہ: ''کہو (کہ مشرکو) جن لوگوں کی نسبت (تمہیں معبود ہونے کا) گمان ہے ان کو بلا دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا اس کو بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرّب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

۳۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

ترجمہ: ''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے' اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول اللہ بھی ان کیلئے' بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ (النساء:٦٤)

ان آیات قرآنی کے علاوہ بہت سی احادیث کو بھی وہ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جنہیں ترتیب کے ساتھ یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

۱۔ ما خرج رجل من بیته الی الصلاۃ فقال ' اللهم انی اسئلک بحق السّائلین وبحقّ ممشای هٰذا ' فانیّ لم اخرج اشرًا وّلا بطرًا ولا ریاءً ولا سمعة ' خرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک ' اسئلک ان تنقذنی من النّار ' وان تغفرلی ذنوبی ' انه لا یغفرالذنوب الّا انت وکّل اللہ بهٖ سبعین الف ملکٍ یستغفرون له واقبل اللہ عزوجلّ بوجهه حتّٰی یفرغ من صلاته ○

ترجمہ:''جوشخص اپنے گھر سے نماز کے لئے گھر سے نکلے اور یہ کہے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں' سوال کرنے والوں کے حق کے واسطے سے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں گھر سے نہ تکبر سے نکلا' نہ اتراتے ہوئے' نہ دکھاوے کے لئے' نہ پروپیگنڈے کے لئے' بلکہ نکلا ہوں تیری ناراضگی سے بچنے کے لئے' اور تیری رضا کی طلب میں ۔میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو جہنم کی آگ سے بچالے' اور میرے گناہ معاف کردے' تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں' تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کردے گا جو اس کے لئے استغفار کریں گے اور اللہ عزوجل اس ک طرف متوجہ ہوگا' یہاں تک کہ وہ شخص اپنی نماز سے فارغ ہوجائے ۔(ابن ماجہ)

۲۔ بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''آدم علیہ السلام نے جب غلطی کی تو انہوں نے کہا:

یا رب اسالک بحق محمد الّا ما غفرت لی ○

ترجمہ:''اے میرے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم !تم نے محمدؐ کو کیسے پہچانا ؟میں نے تو ابھی انہیں پیدا ہی نہیں کیا ۔آدم علیہ السلام نے کہا: میرے رب! تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا پایا لَا اِلٰـهَ اِلّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ جس سے میں یقین کرلیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا نام بڑھا سکتا ہے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔اللہ نے فرمایا: آدم تم نے سچ کہا محمد ﷺ میری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں ۔اور محمد نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔(مستدرک حاکم)

۳۔ ابوجعفر المنصور نے امام مالک سے پوچھا ''ابوعبداللہ میں دعا قبلہ رخ ہوکر مانگو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوکر۔امام مالک نے جواب دیا ''تم اپنا رخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیوں پھیروگے' جب کہ آپ قیامت تک کے لئے تمہارے لئے بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے بھی' آپ ہی کی طرف رخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو۔''

۴۔ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی حدیث:

الله الـذی یـحـي ویـمیت وهو حیٌّ لا یموت ' اغفر لامّی فاطمة بنت اسدٍ ولقنها حجتها ووسّع علیها مدخلها بحق نبیّک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین ○

ترجمہ: ''اللہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی نہیں مرے گا۔ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے' اپنے نبی اور ان تمام انبیاء کے حق کے واسطے سے جو مجھ سے پہلے گذرے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔''

۵۔ عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے اندھے پن سے عافیت دے آپ نے فرمایا ''اگر چاہو تو میں دعا کروں اور چاہو تو صبر کرو' اور صبر تمہارے لئے بہتر ہے۔'' اندھے نے کہا۔ ''آپ دعا ہی فرما دیجئے۔'' آپ نے اسے حکم فرمایا کہ خوب اچھی طرح وضو کر کے آئے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَ انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبیّ الرحمة یا محمد انّی اتوجّه بک الی ربّی فی حاجتی لتقضی ' اللهم شفعه فیّ ○

ترجمہ: ''اے اللہ سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے' اے محمد' میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی ضرورت کے بارے میں تا کہ آپ اسے پوری کر دیں۔ اے اللہ' ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما۔''

روشنی لوٹ آئی اور وہ دیکھنے لگا۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ابھی ہم مجلس سے اٹھیں بھی نہ تھے اور گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ وہ ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ لگتا تھا کہ وہ کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

۶۔ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں اپنی ایک ضرورت لے کر برابر آیا کرتا تھا' لیکن حضرت عثمان اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے اس کو مشورہ دیا کہ وضو خانے میں جا کر وضو کرو اور مسجد میں آ کر نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھو۔

اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انّی اتوجه بک ربّی فی حاجتی لتقضی وتذکر حاجتک ○

ترجمہ: ''اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے۔ اے محمد میں اپنے رب کی طرف آپ کے واسطے سے توجہ کرتا ہوں تا کہ میری فلاں حاجت تو پوری کر دے اس کے بعد تم اپنی حاجت کو دہراؤ۔''

وہ شخص چلا گیا اور ایسا ہی کیا' پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان گھر سے نکلا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عثمانؓ کے پاس لے جا کر بٹھا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا: ''اپنی ضرورت بیان کرو۔'' اس نے بیان کیا۔ آپ نے فوراً پوری کر دی اور فرمایا ''جو بھی ضرورت رہا کرے کہہ دیا کرنا۔ وہ شخص وہاں سے نکل کر سیدھے ابن حنیف کے پاس گیا اور کہا ''اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ وہ تو پہلے میری سنتے ہی نہ تھے۔ جب آپ نے ان سے کہا تب سنا۔'' ابن حنیف نے کہا ''واللہ! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات تک نہیں کی۔ البتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا وہاں آپ کے پاس ایک نابینا آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بصارت ختم ہو جانے کی شکایت کی۔'' اس کے بعد اوپر والی حدیث پوری بیان کر دی۔

۷۔ اذا سالتم اللہ فاسئلوا بجاھی فان جاھی عند اللہ العظیم ○

ترجمہ: ''جب تم اللہ سے مانگو تو میری جاہ کے وسیلے سے مانگو' کیونکہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔''

۸۔ اذا اعیتکم الامور فعلیکم باصحاب القبور ○

ترجمہ: ''جب مسائل تم کو تنگ کریں تو قبر والوں سے مدد لو۔''

۹۔ بیہقی اور ابن شیبہ نے روایت کیا ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قحط پڑا تو حضرت بلال رضی اللہ بن حارث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے' آپ کی قبر کے پاس آئے اور کہا ''یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے پانی طلب کیجئے 'لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ان کے پاس آئے اور انہیں بشارت دی کہ عنقریب لوگوں کو پانی دیا جائے گا۔

۱۰ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ کا معمول تھا کہ جب لوگ قحط کا شکار ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پانی طلب کیا کرتے اور کہتے:

اللّھم کنّا نتوسّل الیک بنبیّنا فتسقینا و انّا نتوسل الیک بعم نبیّنا فاسقنا قال فیسقون ○

ترجمہ: ''اے اللہ ہم تیری طرف تیرے نبی کا وسیلہ لیتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا' اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے پانی طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے تھے۔''

۱۱۔ مسند دارمی میں ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر کے پاس سے آسمان تک ایک روشندان بناؤ اس طرح کے قبر اور آسمان کے درمیان چھت باقی نہ رہے۔'' لوگوں نے ایسا ہی کیا' جس کے بعد بارش ہوئی' یہاں تک کہ ہریالی اگ آئی اور اونٹ فربہ ہو گئے اتنے کہ چربی سے لد گئے۔ اسی مناسبت سے اس سال کا نام ہی ''عام الفتق'' پڑ گیا۔

۱۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دینے کے تین دن بعد

ہمارے پاس ایک دیہاتی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور سر پر مٹی بہانے لگا اور کہا۔اے رسول اللہ آپ نے کہا اور ہم نے آپ کی بات سنی۔آپ نے اللہ کی طرف سے یاد کیا ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا اللہ نے جو آیات آپ پر اتاریں ان میں یہ بھی تھی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء:۶۴)

ترجمہ:''اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے'اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''

اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں قبر سے آواز آئی ''اللہ نے تم کو بخش دیا۔''

۱۳۔ ''الجواہر المنتظم''میں روایت ہے کہ ایک دیہاتی قبر شریف پر کھڑا ہوا'اور کہا:

''اے اللہ!یہ تیرے حبیب ہیں'اور میں تیرا بندہ ہوں'اور شیطان تیرا دشمن ہے۔اگر تو نے مجھے بخش دیا تو تیرا حبیب خوش ہوگا'اور تیرا بندہ کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دشمن غضبناک ہوگا۔اور اگر تو نے مجھے نہیں بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہوگا'اور تیرا دشمن خوش ہوگا'اور تیرا بندہ ہلاک ہو جائے گا۔''

اور اے میرے رب!تو اس بات سے کریم ہے کہ تیرا حبیب غصہ ہو اور تیرا دشمن خوش ہو'اور تیرا بندہ ہلاک ہو۔

اے اللہ!عرب میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر غلام آزاد کرتے ہیں'اور یہ سیّد العالمین ہے اے ارحم الراحمین'مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے۔''

حاضرین قبر میں سے کسی نے اس دیہاتی سے کہا:''اے عرب بھائی تیرے اس بہترین سوال پر اللہ نے تجھے بخش دیا۔''

۱۴۔ بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارش طلب کرنے کے لئے آیا اور یہ اشعار پڑھے:

اتیناک والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے'اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

و لیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوء چارہ نہیں تھا'اور لوگ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں

ان اشعار پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا'بلکہ حضرت انس کا بیان ہے کہ جب دیہاتی نے یہ اشعار پڑھے تو آپ اپنی چادر

گھسیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا' اور لوگوں کے لئے بارش کی دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بارش ہونے لگی۔

۱۵۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب اعرابی آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی اور آسمان بارش سے پھٹ پڑا آپ نے فرمایا اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں (خوشی سے) ٹھنڈی ہو جاتیں' ہمیں ان کا یہ شعر کون سنائے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا' شاید آپ ان کے اس شعر کی بابت فرما رہے ہیں۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للأرامل

ترجمہ: اور وہ حسین شخص جس کے چہرے کے واسطے سے

بدلیوں سے بارش مانگی جاتی ہے یتیموں کا کفیل بیواؤں کا محافظ

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور کھل اٹھا اور نہ تو اس شعر ہی پر آپ نے ناگواری فرمائی اور نہ ''یستسقی الغمام بوجہہ'' کے فقرے پر، اگر ایسا کہنا حرام اور شرک ہوتا تو آپ ضرور انکار فرما دیتے اور یہ شعر سننے کی خواہش نہ فرماتے۔

۱۶۔ طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کی ہے کہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا جس میں وسیلہ کا ذکر ہے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا' اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

واشھـــــد ان اللہ لا ربّ غیـــــرہ

وانک مـــامـــون عـــلٰـــی کـل غـــائـــب

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں

اور بے شک آپ محفوظ ہیں ہر پوشیدہ بات سے

وانک ادنٰـــی الـــمـــرسـلـیـن وسیـلـۃ

الـــی اللہ یـــا ابـــن الاکـــرمیـن الاطـــائـــب

اورتمام پیغمبروں میں آپ ہی بارگاہ الٰہی میں سے

قریبی وسیلہ ہیں' اے شریف پاکیزہ والدین کے بیٹے

فـــمـــرنـــا بـــمـــا یـــاتیک یـــا خیـــر مـــرسـل

وان کـــان فیـــمـــا فیـــہ شیـــب الـــذوائـــب

اے خیر مرسل' آپکے پاس جوحکم آتا ہے اسکا ہم کوحکم فرمادیں

اگرچہ اس کی تعمیل میں پہاڑوں کی چوٹیاں کیوں نہ سرکرنی پڑیں

وکـــن لـــی شـــفیـــعـــا یـــوم لا ذو شـــفـــاعۃ

بـــمـــغـــن فتیـــلا عـــن ســـوادبـــن قـــارب

اور آپ میرے شفیع اس دن کے لئے بن جائیں' جس دن

سواد بن قارب کی کوئی شفاعت والا ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکے

۱۷۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاذکار'' میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ بندہ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

''اللھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم اجرنی من النار''

۱۸۔ اگر رکوع کرنے والے بندے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو عذاب تم پر ابل پڑتا۔

۱۹۔ عبدالملک بن ہارون بن عنترہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا میں قرآن سیکھتا ہوں اور وہ مجھ سے بھاگتا جاتا ہے' آپ نے فرمایا۔ اس طرح کہو' اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تیری روح اور کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اور موسیٰ کی تورات اور عیسیٰ کی انجیل اور داؤد کی زبور اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے فرقان اور ہر اس وحی کے واسطے سے جو تو نے کی اور ہر اس فیصلہ کے واسطے سے جو تو نے کیا۔''

۲۰۔ دعائے حفظ القرآن:

صاحب تفسیر موسیٰ بن عبدالرحمٰن الصعانی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ''جو چاہتا ہو کہ اللہ اسے قرآن حفظ کرا دے اور علم کے تمام اقسام بھی اسے یاد ہو جائیں تو اسے چاہئے کہ یہ دعا شیشے کے ایک برتن میں شہد اور زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور نہار منہ اسے پئے اور اسے تین دن روزہ رکھنا چاہئے اور اسی سے افطار بھی کرنا چاہئے اور نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللهم انی اسئلک بانک مسئول لم یسئل مثلک ولا یسئل واسئلک بحق محمد نبیک وابراهیم خلیلک وموسیٰ نجیک وعیسیٰ روحک وکلمتک ووجیهک ○

ترجمہ: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس واسطے کہ تو مسئول ہے، تیری طرح نہ پہلے سوال کیا گیا نہ آئندہ کیا جائے گا، اور سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے خلیل ابراہیم اور تیرے ہم کلام موسیٰ اور تیری روح اور کلمہ اور وجیہ عیسیٰ کے واسطے سے۔''

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودی قبیلہ غطفان سے لڑا کرتے تھے۔ جب یہودی شکست کھاتے تو اس دعا کے ذریعہ پناہ مانگتے:

اللهم انا نسئلک بحق محمد ن النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا اٰخر الزمان الا نصرتنا علیهم ○

ترجمہ: ''اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں نبی امّی محمد کے حق کے واسطے سے جن کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آخر زمانے میں تو انہیں ہمارے لئے مبعوث کرے گا اور ان کفار پر تو ہمیں فتح دے گا۔''

یہودی جب بھی یہ دعا مانگتے تو غطفان شکست کھا جاتے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اسی کی بابت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ○

ترجمہ: ''اور وہ اس سے پہلے کافروں پر مدد مانگا کرتے تھے۔''

۲۲۔ ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا ''کروں گا۔''

۲۳۔ صفیہ بنت عبدالمطلب نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی شان میں مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے کہا تھا۔

الا یا رسول اللہ انت رجاؤنا و کنت بنا برّا ولم تک جافیا

اے اللہ کے رسول آپ ہماری امید ہیں اور آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے ظالم نہ تھے

اس مرثیہ میں آپ کی وفات کے بعد آپ کو ''انت رجاؤنا'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس شعر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا لیکن کسی نے اعتراض و انکار نہیں کیا۔

۲۴۔ ترمذی کا خواب:

طاہر بن ہاشم باعلوی نے اپنی کتاب ''مجمع الاحباب'' میں امام ابوعیسیٰ الترمذی صاحب السنن کے ذکر میں لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور پوچھا کہ ''ایمان زندگی بھر کیسے سلامت رہ سکتا ہے'' تو اللہ نے فرمایا ''کہو''

الھی بحرمة الحسن واخیه وجدّہ وبنیه وامه وابیه نجنی من الغم الذی انا فیه ' یا حیّ یا قیوم یاذالجلال والاکرام اسألک ان یحیی قلبی بنورک معرفتک یا اللہ یا اللہ یا ارحم الرحمین ○

ترجمہ: ''اے اللہ! حسن' ان کے بھائی' اور ان کے نانا' اور ان کے بیٹوں اور ان کی ماں' ان کے باپ کی عزت کے صدقہ میں مجھے اس غم سے نجات دے جس میں' میں پھنسا ہوں اے زندہ رہنے والے' اے قیوم اے جلال و بزرگی والے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا دل اپنی معرفت کے نور سے زندہ کردے۔ یا اللہ یا اللہ یا ارحم الراحمین۔''

۲۵۔ امام شافعی کا آل بیت سے وسیلہ لینا:

ابن حجر مکی نے ''الصواعق المحرقة لاخوان الضلال والزندقه'' میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے آل بیت نبوی کا وسیلہ لیا' جیسا کہ انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔

ا ل النبی ذریعتی وھم الیه وسیلتی ارجوبھم اعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی

نبی کے آل میرا ذریعہ نجات ہیں 'وہی لوگ اللہ تک میرا وسیلہ ہیں

میں امیدوار ہوں کہ کل انہیں کے ذریعہ میرے داہنے ہاتھ میں میرا صحیفہ عمل دیا جائے گا

۲٦ امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس ان کا وسیلہ لینا:

ابن حجر مکی نے ''الخیرات الحسان'' کی پچیسویں فصل میں امام ابوحنیفہ کے مناقب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب امام شافعی بغداد میں مقیم تھے تو آپ حاجات پوری کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ کی قبر پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔

ممنوع اور حرام وسیلہ کو جائز کہنے والے حضرات انہیں دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور عوام الناس کو انہیں شبہات کا شکار بنا کر ممنوع

وسیلہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ ہم علم اور تحقیق کی نگاہ سے جب ان دلائل کا (جنہیں دلائل کے بجائے شبہات کہنا بہتر ہوگا) مطالعہ کرتے ہیں تو ان حضرات کے علمی افلاس پر بڑا ترس آتا ہے۔ہم اگلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ ایک ایک شبہ پر خالص علم وتحقیق کی روشنی میں بحث کریں گے۔ہم نے پوری وسعت نظری کے ساتھ ان کے تمام چھوٹے بڑے دلائل کو یہاں جمع کر دیا ہے۔ناظرین کتاب سے گزارش ہے کہ وہ ان دلائل کو پڑھیں اور اس کے بعد ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیں۔انشاء اللہ صواب وخطا اور حق وضلالت ان پر پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

مخلوقات کا سہارا لینے والے حضرات نے تین آیات قرآنی اور ۲۶ اقوال واحادیث اپنے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔عوام کو قرآن اور احادیث سنا دینا ہی کافی نہیں' بلکہ یہ بتانا چاہئے کہ یہ آیات کس موقع اور محل کے لئے ہیں اور ان سے کیا ثابت ہو رہا ہے؟ جب تک آیات کا وہ مفہوم نہ پیش کیا جائے جس پر جمہور مفسرین متفق ہیں تب تک ان سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔اور احادیث کے متعلق تو تمام اہل علم جانتے ہیں کہ وہ سب صحیح نہیں ہیں، بلکہ ان میں صحیح 'ضعیف' موضوع' جھوٹی اور بے اصل ہر طرح کی ہیں۔احادیث سے استدلال کرنے والے بالعموم ان کے درجات سے بے خبر ہوتے ہیں۔انہیں صحیح اور غلط کا معلوم ہی نہیں رہتا۔اور اگر صحیح حدیث کبھی پیش بھی کرتے ہیں تو انہیں ان کے صحیح مفہوم اور موقع محل کا پتہ نہیں رہتا۔ان کو یہ بھی معلوم نہیں رہتا کہ ان حدیثوں سے کیا ثابت ہو رہا ہے اور ان کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ سب سے پہلے ہم ان کی پیش کردہ آیات قرآنی پر بحث کر رہے ہیں۔

❁❁❁❁

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجٰھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے مومن بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، یعنی اللہ کی اطاعت کے ساتھ حرام اور ممنوع چیز سے بچنا اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ’’وسیلہ ان نیک اعمال کو کہتے ہیں جن سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔‘‘ اور یہی قول مجاہد ابو وائل، حسن قتادہ اور سدی کا بھی ہے۔ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وسیلہ کے اعمال کو متعین فرما دیا ہے اور وہ ہیں، اللہ پر ایمان، اس کا تقویٰ، اس کی اطاعت، اس کی راہ میں جہاد اور یہی وہ اعمال ہیں جن سے فلاح ورشد کی راہیں کھلتی ہیں اور مومن جنت الفردوس کا حق دار ہوتا ہے۔

آیت کے حقیقی مفہوم پر غور فرمایئے کہ اس میں مخلوقات اور صالحین کی ذات کے وسیلہ کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو صرف اس شرعی وسیلہ کا ذکر ہے جو نیک اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے، اور یہی اللہ کا حکم ہے جس سے کسی مومن کو انکار کی مجال نہیں! انکار تو اس حرام اور ممنوع وسیلہ سے ہے جو مخلوقات اور شخصیات کی ذاتوں کا لیا جائے اس آیت میں نہ اس کا کوئی ذکر ہے نہ تعلق۔ بلکہ ایمان تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان اعمال صالحہ کے شرعی وسیلہ کو متعین فرما دیا لہٰذا مخلوقات کی ذات کے وسیلہ پر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہے اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی مشروعیت کا جو دعویٰ ہم نے پچھلے صفحات میں کیا ہے، اس کی مکرر تائید ہوئی۔

دوسری دلیل

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○

ترجمہ: ''کہو(کہ مشرکو) جن لوگوں کی نسبت تمہیں معبود ہونے کا گمان ہے ان کو بلا دیکھو؛ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا اس کو بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

یہ دونوں آیتیں عرب کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئیں جو جنوں کے ایک گروہ کی عبادت کرتی تھی۔ بعد میں یہ جن مسلمان ہو گئے لیکن عبادت گذاروں کی اس جماعت کو جنوں کے اسلام کا علم نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ جن جنوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کر رہے ہو؛ ذرا ان کو پکار کر دیکھو کہ وہ تمہارے کسی کام کے نہیں ہیں۔ تم جو ان سے تکلیف دور کرنے اور نفع حاصل کرنے کی درخواست کر رہے ہو تو ان کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ یہ حق اور خصوصیت تو صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اور ان مشرکین کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ جن جنہیں معبود بنائے ہوئے ہیں وہ تو مسلمان ہو کر اللہ کی بندگی میں لگ گئے ہیں اور اطاعت و فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک جن اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اس دھن میں لگا ہے کہ کون اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور پھر بندگی کر کے بھی رحمت الٰہی کے امیدوار اور عذاب الٰہی سے ڈر رہے ہیں۔

یہ ہے ان دونوں آیتوں کا صحیح مفہوم جن میں مشرکین کو یہ حقیقت سمجھائی جا رہی ہے کہ جن جنوں کی تم عبادت کرتے ہو ان سے سبق حاصل کرو۔ وہ اللہ پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں؛ انہوں نے خود کو شرک سے بچا لیا ہے اور اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے عمل صالح کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے اس اعمال صالح کو وسیلہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ معبود نہیں ہیں؛ اگر یہ معبود ہوتے تو اللہ کی بندگی کیوں کرتے؟ اللہ کی رحمت کے طالب کیوں ہوتے اللہ کے عذاب سے ڈرتے کیوں؟ یہ باتیں کسی عابد کی ہوتی ہیں یا معبود کی؟ تم اتنا بھی

نہیں سمجھتے کہ عبادت کون کرتا ہے؛ عابد یا معبود؟ بھلا معبود بھی دوسروں کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اس کو بھی کسی کی رحمت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

غرض کہ اس آیت کا تعلق تو شرک کی مذمت اور توحید کی ترغیب سے ہے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے سے اس کا کیا تعلق؟ شاید ان بیچاروں کو اس بات سے دھوکہ ہوا ہے کہ آیت میں ''الوسیلہ'' کا لفظ آگیا ہے، بس وسیلہ کا لفظ پڑھتے ہی سمجھ بیٹھے کہ وسیلہ سے مراد مخلوقات کا وسیلہ ہے۔

بریں عقل و دانش بباید است

تیسری دلیل

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء:۶۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ان پر رسولوں کی اطاعت فرض ہے اور یہ اطاعت بھی وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اس کی توفیق نصیب ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار ومنافقین کی بابت فرماتے ہیں اگر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے کہ آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اور وہ خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ سے توبہ واستغفار کرتے تو اللہ ان کی مغفرت فرماتا اور ان کی توبہ قبول فرماتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔

ہر مسلمان اور قرآن کو پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ آیت اور اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک کیلئے تھا۔ آپ کی مجلس میں آنا اور آپ کا استغفار کرنا ے سب امور زندگی سے متعلق ہیں۔ استغفار اور توبہ یہ سب عمل ہیں جو زندگی ہی میں کئے جاسکتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ' صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ ○

ترجمہ: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے' سوائے تین راستے کے' صدقہ جاریہ' علم نافع' دعا کرنے والی صالح اولاد۔''

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ آپ بھی ''ابن آدم'' تھے۔ اللہ نے آپ کو بھی موت دی اور آپ رفیق اعلیٰ کو جا ملے۔

لیکن معلوم ہوا کہ اس آیت میں جتنے اعمال کا ذکر ہے مثلاً گنہگاروں کا آپ مجلس میں آنا' وہاں آ کر اللہ سے توبہ واستغفار کرنا اور ان کا آپ سے درخواست کرنا کہ آپ بھی ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرمائیں یہ سب آپ کی زندگی تک کے لئے تھا۔ اب آپ کی وفات کے بعد یہ سب احکامات ختم ہو گئے۔ کیونکہ تمام عمل خواہ وہ دعا کرنی ہو یا استغفار' بات چیت ہو یا سننا' یا دیکھنا۔ غرض

زندوں کی تمام خصلتیں زندگی تک محدود ہیں، مرتے ہی سب ختم ہو جاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بڑے بڑے سنگین مسائل کھڑے ہوئے جن کا تقاضا تھا کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم آپ کی قبر پر آتے وہاں اللہ سے استغفار کرتے پھر آپ سے بھی استغفار کی دعا کراتے۔ لیکن تاریخ صحابہ شاہد ہے کہ ایسا کسی نے نہیں کیا، کیونکہ ان کو خوب معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور زندگی کے ان اعمال کو مرنے کے بعد نہیں کر سکیں گے۔ یہ ایسی موٹی اور عام بات ہے جسے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے سامنے تو کتاب اللہ کی یہ آیت موجود ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ○

ترجمہ ''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت پیغمبر ہو گذرے ہیں۔ بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا شہید کئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ)۔''

اور یہ آیت: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوتِ ط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ اسی لئے تمام مسلمان مسجد نبوی کی زیارت کے بعد قبر نبوی کی بھی زیارت کرتے ہیں اور آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

یہ ہے اس آیت کا خلاصہ جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے اور ان کی بابت یہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار وانحراف کرتے اور جب مجبور ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر معذرت و مغفرت چاہتے، اللہ نے بھی ان کے حال کی رعایت کرتے ہوئے ان کی معافی کا دروازہ کھلا رکھا اور ان کی مغفرت کے لئے یہ طریقہ بتایا کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر خود بھی توبہ واستغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرما دیں تو اللہ توبہ قبول کرے گا۔

بھلا اس میں مخلوقات کے توسّل کا کہاں ذکر ہے؟ اس کا تو اس میں کہیں اشارہ تک موجود نہیں۔ جب مخلوقات کی ذاتوں سے وسیلہ لینا اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا تو اس کے لئے اس آیت کو دلیل بنانا ہی غلط ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح عہد نبوی میں لوگوں نے آپ سے استغفار کی درخواست کی ہم بھی آج آپ سے درخواست کرتے ہیں۔ جس طرح آپ کی حیات میں لوگ آپ کے پاس جاتے تھے اسی طرح ہم بھی آج آپ کے پاس جاتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت سے ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ منافقین آپ کے پاس توبہ واستغفار کے لئے آئے اور آپ نے ان کی درخواست پر ان کے لئے مغفرت کی دعا کی ہو۔ آیت میں تو لفظ ''لَوْ''، یعنی ''اگر'' استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے اور استغفار وتوبہ کرتے اور اگر آپ سے استغفار کی دعا کے لئے درخواست کرتے اور آپ

دعا فرمادیتے تو بے شک اللہ سے معافی پاتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ رسول اللہ کی مجلس میں آئے اور استغفار کیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی؟ ان سوالوں کا جواب اس آیت سے نہیں ملتا۔ تو محض قیاس وتخیل پر ایک عقیدہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ان حقائق کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منافقین اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ سلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو اللہ ضرور انہیں بخش دیتا اور ان پر رحم کرتا، بلکہ جو بھی ایسا کرتا اس کے لئے توبہ ورحمت کا دروازہ کھلا ملتا۔

لیکن یہ سب کب ممکن ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ سب آپ کی زندگی میں ہوتا۔ کیونکہ آپ کی مجلس میں حاضری، آپ کا دعا فرمانا، یہ سب زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اب تو آپ وفات پاچکے ہیں، اب نہ آپ کی مجلس موجود ہے نہ آپ سے کلام ودرخواست ممکن، نہ آپ کا دعائے مغفرت کرنا ممکن، یہ سب اعمال وافعال آپ کی زندگی تک کے لئے خاص تھے۔ وفات کے بعد انسان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہی آیت کا صحیح مطلب ہے۔ اس کے برخلاف نہ کسی صحابی نے سمجھا، نہ تابعی نے، نہ ہی طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے کسی عالم ربانی نے ایسا سمجھا۔ اس لئے اس آیت سے مخلوقات کی ذات سے وسیلہ لینے پر استدلال کرنا بے محل اور بالکل غلط ہے۔ پھر اس آیت میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے استغفار کرانے کا ذکر ہے۔ آپ کی ذات وشخصیت کو وسیلہ بنانے کا کہاں ذکر ہے؟ اس لئے آیت کو دلیل بنانا چاہئے رسول کی دعا کو وسیلہ بنانے پر نہ کہ رسول کی شخصیت وذات کو۔

اور مومن کی دعا کے وسیلہ کی بابت تو ہم شروع وسیلہ کی بحث میں تفصیل سے بیان کرسکے ہیں کہ یہ جائز اور مشروع ومسنون ہے۔ اس میں تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں، لیکن آیت کے مضمون سے ہٹ کر اس سے مخلوقات کی شخصیتوں اور ذاتوں کو وسیلہ بنانے پر استدلال کرنا محض بے عقلی اور جہالت ہے۔

آیت واحادیث سے بے محل استدلال

تینوں آیات پر آپ نے غور کرلیا اس سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ان آیت کریمہ سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے پر استدلال کرنا کتنا بے محل اور غلط ہے اور ان آیات کا اس موضوع سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں۔ لہٰذا ہمارے ان دوستوں کا دعوی خود بخود باطل اور ساقط ہو جاتا ہے۔ ان آیات کے علاوہ ۲۲ حدیثیں اور صفیہ بنت عبدالمطلب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) کے مرثیہ کا ایک شعر اور امام ترمذی کا خواب اور امام شافعی کے دو واقعات بھی مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ان احادیث پر بحث کریں گے اور جرح وتعدیل کے اصول پر ان احادیث کی تحقیق کریں گے۔ جو احادیث ان کے اصولوں کے مطابق صحیح ثابت ہوں گی ہم انہیں بلا چوں وچرا قبول کریں گیا ور جو غلط اور موضوع ثابت ہوگی ان کے اسباب ووجوہات آپ کے سامنے پیش کردیں گے۔

ہمارا مقصود حق کی تلاش ہے۔ ہم حق کو بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ حق سب پر بلند ہے' ساری عظمتیں حق پر قربان ہیں۔ اگر ایک طفل مکتب بھی حق کی آواز بلند کرے گا تو ہم اس کی تائید ومدد کریں گے اور اگر کوئی بڑی سے بڑی اور عظیم شخصیت بھی باطل کا پرچار کرے گی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے' اس لئے کہ حق ہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی حقانیت کے آگے سر جھکایا جائے اور اس کی بھرپور تائید ومدد کی جائے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے نماز کے لئے نکلا اور یہ دعا پڑھی۔

اللھم انی اسئلک بحق السّائلین وبحقّ ممشای ھٰذا ، فانیّ لم اخرج اشرًا وّلا بطرًا ولا ریاءً ولا سمعة ، خرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک ، اسئلک ان تنقذنی من النّار ، وان تغفرلی ذنوبی ، انه لا یغفرالذبوب الّا انت وکّل الله بہٖ سبعین الف ملکٍ یستغفرون له واقبل الله عزوجلّ بوجهه حتّٰی یفرغ من صلاته ○ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ''جوشخص اپنے گھر سے نماز کے لئے گھر سے نکلے اور یہ کہے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں' سوال کرنے والوں کے حق کے واسطے سے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں گھر سے نہ تکبر سے نکلا' نہ اتراتے ہوئے' نہ دکھاوے کے لئے' نہ پروپیگنڈے کے لئے' بلکہ نکلا ہوں تیری ناراضگی سے بچنے کے لئے' اور تیری رضا کی طلب میں ۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو جہنم کی آگ سے بچالے' اور میرے گناہ معاف کردے' تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں' تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کردے گا جو اس کے لئے استغفار کریں گے اور اللہ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہوگا' یہاں تک کہ وہ شخص اپنی نماز سے فارغ ہوجائے ۔ (ابن ماجہ)

یہ حدیث ضعیف ہے ۔ اہل علم نے اس پر سخت کلام کیا ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے ۔ اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں ''عطیہ بن سعید العوفی'' ہے جس کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ: ''وہ ضعیف ہے'' امام ابوحاتم کا بیان ہے کہ: ''عطیہ ضعیف حدیثیں لکھا کرتا تھا۔'' سالم المرادی کا بیان ہے کہ ''وہ شیعہ ہے'' ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ''وہ ضعیف الحدیث ہے ۔'' اور عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا' اس سے تفسیر پڑھتا تھا اور وہ اپنی کنیت ''ابوسعید'' رکھے ہوئے تھا اور ابوسعید کے نام سے روایت کرتا تھا جس سے دھوکہ ہوتا تھا کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری ہے ۔'' امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ ''ضعیف'' ہے ۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ ''وہ صدوق ہیں لیکن کثرت سے غلطی کرتے ہیں' نیز شیعہ ہیں تدلیس بھی کرتے ہیں تیسرے طبقہ میں سے ہیں سنہ ۱۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔''

یہ ہے اس حدیث کی حقیقت ۔ جس کا راوی شیعہ ہو' جس کے ضعف پر محدثین وعلماء رجال کا فتویٰ صادر ہو چکا ہو اس حدیث کو عقیدہ کی بحث میں حجت بنانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

اسی حدیث کو ابوبکر السنی نے اپنی کتاب ''عمل الیوم واللیلہ'' میں لفظی تبدیلیوں کے ساتھ ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے ۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اذکار'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے ۔ اس کے ایک راوی ''وازع بن نافع'' کے ضعف اور منکر الحدیث ہونے پر سب کا اتفاق ہے ۔ حافظ ابن حجر نے ''الاذکار'' کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث کمزور ہے ۔'' دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے ۔ ابن معین اور نسائی نے کہا کہ یہ ''ثقہ'' نہیں ہے ۔ ابوحاتم نے کہا ''یہ متروک ہے ۔'' حاکم نے کہا ''یہ موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے ۔'' ابن عدی نے کہا ۔ ''اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں ۔'' امام بخاری نے کہا ''یہ حدیث منکر ہے ۔'' ہیثمی نے مجمع

الزوائد میں کہا۔ ''ضعیف اور متروک ہے''۔

معلوم ہوا کہ حدیث کے دونوں طرق میں ضعف بلکہ ایسا شدید ضعف ہے جس کی وجہ سے اس حدیث کو حجت میں پیش ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس حدیث سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اَللّٰھُمَّ بِـحَـقِّ السَّـائِلِینَ عَلَیْک '' کہنے والا اللہ کی صفت اجابت کا وسیلہ لیتا ہے۔ کیونکہ سوال کرنے والوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ ان کی دعائیں سن لے' جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ ○

''مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

اور ''اجابت'' اللہ کی ایک صفت ہے اور صفات الٰہی کا وسیلہ اعلیٰ ترین مشروع وسیلہ ہے۔ یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ جب ''بِحَقِ السَّائِلِيْنَ عَلَيْك '' کہنا صحیح ہوسکتا ہے تو ''بِحَقِ نَبِيّكَ ''یا ''بحق فلان'' کہنا کیوں صحیح نہیں ہوسکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے' کہ بحق السائلین کہنے والا خود بھی سائل ہوتا ہے' اس لئے وہ اپنے حق سوال کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور وعدہ بھی۔ لیکن جو شخص ''بحق فلان'' کہتا ہے تو سائل کو ''فلاں'' کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہتا ہے کہ ''اے اللہ! چوں کہ تیرا فلاں بندہ صالح ہے اس لئے میری دعا قبول فرما۔'' تو کسی اور کی صالحیت اور حق سے سائل کو کیا تعلق؟ بلکہ یہ تو ایک طرح سے دعا میں زبردستی کرنی ہے' حالانکہ دعا میں تو عاجزی اور مسکنت کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

ترجمہ: ''اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور چپکے چپکے' وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

نیز اس قسم کی دعائیں نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں نہ صحابہ کرامؓ نہ تابعین اور نہ ہی ائمہ و مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہیں۔ اور دعا افضل ترین عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنّت اور اتباع پر ہے نہ کہ ھوی اور بدعت پر۔

لیکن اس حدیث کی صحت فرض کرنے اور سوال و جواب کی اس لمبی بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا' جب اللہ نے ہمیں اس سے بچالیا تو خوامخواہ ہم اس میں کیوں پھنسیں۔ جب علمائے حدیث نے اس کے موضوع اور غیر صحیح ہونے پر اتفاق کرلیا ہے تو اس حدیث سے استدلال کرنا ہی غلط اور فضول ہے۔

❁❁❁❁

حضرت آدم کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

دوسری حدیث

بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا:

یا رب ، اسئلک بحق محمدٍ الا ما غفرت لی ○

ترجمہ:''میرے رب! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔''اے آدم، تم نے محمد کو کیسے پہچان لیا؟ ابھی تو میں نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا ہے؟ آدم نے کہا'' اے رب تو نے جب مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جس سے میں جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا اضافہ کرتا ہے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔'' اللہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ محمد میری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، جب تم نے ان کے حق کا واسطہ سے مجھ سے سوال کیا تو میں نے تم کو معاف کیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو کبھی پیدا نہ کرتا۔'' (حاکم)

اس حدیث پر بحث کا خلاصہ:

بلاشبہ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی اور اللہ نے انہیں معاف فرمایا۔ آیئے اب اس بات کی تحقیق کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کس طرح معاف ہوئی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بنانے سے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے کلمات سیکھ کر توبہ کرنے سے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا ان کے استغفار و توبہ کی وجہ سے معاف ہوئی ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بنانے سے۔

چنانچہ مجاہد، اور سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب القرظی خالد بن معدان، عطاالخراسانی سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کو سیکھا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○

ترجمہ:''ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔''

اور سفیان ثوری نے عبدالعزیز بن رفیع، مجاہد، عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا کہ ''حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میرے رب! میں نے جو خطا کی کیا تو نے اسے میری پیدائش سے قبل میرے اوپر نہیں لکھ دی تھی یا یہ کوئی نئی چیز ہے جسے میں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے۔'' اللہ نے فرمایا۔ ''نہیں اسے میں نے تمہاری پیدائش سے پہلے پہلے ہی تم پر لکھ دیا تھا۔'' حضرت آدم نے کہا ''جس طرح تو نے لکھا اسی طرح اسے معاف بھی کر دے۔ تب انہیں یہ دعا سکھلائی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ○

ترجمہ: ''آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔''

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آدم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب، کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا۔'' کہا گیا ''بے شک'' اور کیا تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی کہا گیا ''بے شک'' اور کیا تو نے میرے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ میں ایسا کروں گا؟ کہا ''بے شک۔''

ان روایات سے ثابت ہوا کہ آدم اور حوا نے اپنی خطا کا خود اعتراف کیا۔ اور اسی ''اعتراف گناہ'' کو وسیلہ بنا کر اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کہ وہ تواب اور رحیم ہے۔ یہی قرآن کی شہادت ہے، احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام اور سلف صالحین سب کا اسی پر اتفاق ہے۔ ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو توبہ کے کلمات سکھائے اور جب انہوں نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا الآیہ والی دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ یہ دلیل نہایت روشن اور قوی ہے جس میں کوئی ابہام ہے نہ ضعف و شک۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث جس سے مخلوقات کے ذات کے وسیلہ پر استدلال کیا گیا ہے وہ سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے جس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

ا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ پر مخلوق کی قسم کھانا شرک کہ مشابہ عمل ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ پر قسم کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق بلکہ اشرف المخلوقات ہیں۔ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر کھانی حرام اور شرک اور غیر اللہ کی قسم کھانی ہے تو مخلوق کی قسم اللہ پر کھانی تو اور بھی زیادہ سخت جرم اور گناہ ہے، کیونکہ اس صورت میں قسم کھانے والا خالق کو اور مخلوق اور مخلوق کو خالق کے درجہ میں کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ قسم کھانے والا محلوف بہ، (جس کی قسم کھائی جائے) کو محلوف علیہ (جس پر قسم کھائی جائے) پر فوقیت دیتا ہے۔ اس طرح مخلوق کو خالق پر عظمت و علو حاصل ہو جاتا ہے جو سراسر شرک اور گناہ عظیم ہے۔

آدم علیہ السلام نبی اور رسول تھے وہ اس بات سے معصوم تھے کہ نبوت سے قبل یا نبوت کے بعد اللہ کے ساتھ شرک کرتے۔ سوچئے کہ شرک اللہ کی جناب میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا حضرت آدم، اللہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر اپنی پچھلی خطا سے بڑی خطا کو اپنی معافی اور تقریب کا ذریعہ کیسے بناتے اور کیا اللہ تعالیٰ شرک کے وسیلہ سے اپنے بندے کی خطا معاف

کرتا؟ آدم علیہ السلام اور اللہ رب العالمین کے بارے میں اس کا تصور کرنا بھی گناہ ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں یہ ہے کہ ''اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم نے حضرت محمد کو کیسے پہچان لیا جب کہ میں نے ابھی انہیں پیدا بھی نہیں کیا ہے؟ آدم نے کہا ''میرے رب' جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر عرش کے پایوں کی طرف اٹھایا تو اس پر لکھا ہوا پایا۔ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا اضافہ کرتا ہے جو تجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

یہ مکالمہ دو وجہ سے قابل رد ہے۔ اول یہ کہ اللہ اور آدم کے درمیان کی یہ بات چیت حضرت آدم کی خطا کے بعد ہوئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے خطا سے قبل ہی آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتادیئے تھے اور انہی ناموں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی تھا۔ حضرت آدم جانتے تھے کہ آپ اللہ کے نبی و رسول اور اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ لہٰذا اگر کہنا ہی تھا تو حضرت آدم کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ ''اے اللہ! جب تو نے مجھے سب نام سکھائے تو اسی وقت حضرت محمد کا نام بھی بتادیا تھا کہ وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔''

دوم یہ کہ عرش کے پایوں پر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ لکھنے کا ذکر صرف اسی موضوع حدیث میں موجود ہے اس کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ تو بھلا ایک غیبی چیز موضوع حدیث سے کیسے ثابت ہوسکتی ہے؟

۳۔ اس حدیث کا ٹکڑا ''آدم تم نے سچ کہا' حضرت محمد مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ اور جب تم نے ان کے حق کے واسطے سے سوال کیا تو میں نے تم کو بخش دیا۔'' قیاس سے باہر ہے' کیونکہ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانی شرک ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من حلف لغير الله فقد اشرک ○

ترجمہ: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

تو اللہ اپنے بندے آدم کو شرک کی تعلیم کیسے دے گا؟ اور پھر اسی شرک کو وسیلہ کی شکل میں قبول کر کے کس طرح بخش دے گا۔ جب کہ اللہ کا خود ارشاد ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰـهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ○ (الزمر:۷)

ترجمہ: ''اور کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔''

تو جب اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا تو انہیں کفر سکھانا کیسے پسند کرے گا؟ سُبۡحَان الله ؟ یہ کتنا بڑا بہتان ہے۔

۴۔ اور حدیث کا یہ ٹکڑا ''ولو لا محمد ما خلقتک'' اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا۔'' ہم اس جملہ کو کہنے سے اللہ کو پاک و بری سمجھتے ہیں۔ حاشا و کلا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اللہ کا فرمایا ہوا جملہ ہو' کیونکہ اللہ کا تو ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ○

ترجمہ: ’’میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں گے۔‘‘

نیز اللہ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق:۱۲)

ترجمہ: ’’اللہ تو ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمین۔ ان میں (اللہ کے) حکم اترتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔‘‘

ان دونوں آیات سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات کی پیدائش کا مقصد اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔ خلق اللہ میں سے کسی خاص آدمی کی پیدائش کے سبب یہ کائنات نہیں پیدا کی گئی۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ بندے جان لیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور زمین وآسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے چھپی نہیں ہے۔

تو پھر لوگوں کا یہ کہنا کہ ’’لو لا محمد ما خلقتک‘‘ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ جملہ ان آیات کے صریحاً مخالف ہے اور جو کلام کتاب وسُنّت کے مخالف ہو وہ ساقط ہے۔ لہٰذا جس نے یہ من گھڑت روایت نقل کی اس نے اللہ اور اس کے رسول اور حضرت آدم علیہ السلام پر جھوٹ کہا، اور کسی جھوٹ اور موضوع بات کو دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

تعجب ہے کہ اسی قسم کی من گھڑت اور جھوٹی احادیث کو لوگوں نے دین وعقیدہ کی بنیاد بنا رکھی ہے اور اصرار بھی ہے کہ لوگ اسے تسلیم کریں اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھیں اور جو ان کے اس جھوٹ کا انکار کرے اس پر اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ کرنے کا الزام رکھتے ہیں، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو لوگ کتاب اللہ اور سُنّت رسول کو مضبوط پکڑیں اور مسلمانوں کو ان دونوں کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دیں تو دشمن اللہ اور رسول ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹ منسوب کریں اور کتاب وسُنّت کی عملاً مخالفت کریں وہ اللہ اور رسول کے شیدائی کہلائیں۔ کیا خوب منطق ہے؟

اس حدیث کی سند پر بحث:

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ خود حاکم نے اپنی کتاب ’’الضعفاء‘‘ میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تعجب کیا ہے کہ حاکم نے اس روایت کو کیسے نقل کر دیا جب کہ خود انہوں نے اپنی کتاب ’’المدخل الیٰ معرفۃ الصحیح من السقیم‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے موضوع احادیث کی روایت کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بالاتفاق ضعیف ہیں۔ کثرت

سے غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب نے ضعیف کہا ہے اور ابوحاتم بن حبان کا قول ہے کہ عبدالرحمٰن بے خبری میں احادیث کو الٹ پھیر کر کے بیان کرتے تھے۔ ان کی روایات میں ایسا بہت ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع بنا دیا اور موقوف کو مسند قرار دے دیا۔ لہٰذا ان کی مرویات کو ترک کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ **نیز حاکم تنہا جب کسی حدیث کو صحیح کہیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں، جب تک امام ذہبیؒ اس کی تائید نہ کر دیں، کیونکہ مستدرک حاکم کی صحت وضعف پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سخت اعتراضات کئے ہیں۔**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے متن، مفہوم اور سند میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور عقیدہ جیسی بنیادی چیز میں حجت بنایا جائے۔ اب اس کے باوجود اگر کوئی شخص اسے دلیل میں پیش کرے تو ہم اس جسارت اور جرأت بے جا بلکہ احادیث سے اس کی بے خبری اور جہالت ہی پر محمول کریں گے۔

❁❁❁❁

امام مالک اور ابوجعفر المنصور کا قصہ

۳۔ پچھلی حدیث کی تائید اور مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کے جواز میں امام مالکؒ اور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کا ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوجعفر نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ میں دعا کرتے وقت قبلہ کو سامنے کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟

یہ سوال کئی اسباب کی بنا پر غلط ہے:

کیا المنصور اتنی بات بھی نہ جانتا تھا کہ اس کو پوچھنا پڑا؟ یا وہ محض امام مالک کے علم کا امتحان لے رہا تھا؟ اور اگر وہ جانتا تھا تو پھر اسے اس سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے کہ المنصور کو علم نہ تھا اس لئے اس نے پوچھا ہوگا تو یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ابوجعفر المنصور اپنے وقت کا عظیم ترین عالم تھا اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوجعفر المنصور روایت اور درایت اور فہم اور ہر اعتبار سے علمی خزانوں کا مالک تھا۔ جس سال اس نے حج کیا اور حج میں امام مالک سے ملا تو اس نے امام مالک سے برملا کہا کہ ممکن ہے کہ ہم دونوں اس عصر کے سب سے بڑے عالم ہوں، لیکن مجھے عوام کی سیاست نے پھنسا رکھا ہے۔ آپ لوگوں کے لئے نرم رویہ اختیار کریں۔ عبداللہ بن عباسؓ کی رخصتوں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی شدتوں سے پرہیز کریں۔ اسی لئے امام مالک کی کتاب کا نام "الموطا" رکھا گیا۔ ابوجعفر علم کے بلند مقام پر فائز تھا۔ اس کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ایک معمولی سا سوال ایک ایسے آدمی سے کرے گا جو اس کے ہم پلہ ہو۔

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ابوجعفر امام مالک کا امتحان لے رہا تھا، کیوں کہ اسے امام مالک کے علم کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ خود اس نے امام مالک کو اپنا ہمسر قرار دیا تھا، اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ امتحان لینے کے لئے ایسا معمولی سوال کرتا جسے ایک بچہ بھی جانتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابوجعفر المنصور نہ تو جاہل تھا نہ ممتحن، بلکہ امام مالکؒ کے برابر کا عالم تھا، اسے اس سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۲) امام مالک کا یہ مذہب ان کے ثقہ اصحاب سے ان کی کتابوں میں ثابت ہے کہ جو شخص مسجد نبوی میں دعا کرے اس کو قبلہ رخ ہو کر دعا کرنی چاہئے اور قبر نبوی کی طرف ہرگز رخ نہ کرے۔ تو جب یہ واقعہ امام مالکؒ کے مذہب کے خلاف ہے تو وہ اپنے مذہب مشہور کے خلاف ابوجعفر المنصور کو کیسے جواب دیتے؟

(۳) رہا امام مالک کا یہ کہنا کہ "آپ اپنا رخ قبر کی طرف کیوں پھیریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن آپ کے اور آپ کے باپ آدم کے وسیلہ ہیں۔ آپ قبر ہی کی طرف رخ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے۔"

جہاں تک قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے لئے وسیلہ یعنی ''شفیع'' ہونے کا مسئلہ ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بلاشبہ قیامت کے دن آپ خلق اللہ کی شفاعت فرمائیں گے۔

بلکہ اختلاف تو اس بات پر ہے کہ دنیا میں مخلوقات کی ذات کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اس کا اصل موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے شفاعت طلب کرنا بھی صحیح نہیں' کیوں کہ شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن ہی نہیں پاتے کہ آپ سے کون شفاعت طلب کر رہا ہے؟ اور اگر سنتے بھی تو فی الفور شفاعت نہیں فرما سکتے' کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؁

ترجمہ: ''کون ہے جو اللہ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔''

اور اللہ کی اجازت قیامت ہی کے دن ملے گی۔ اس دن اللہ آپ کے لئے ایک حد مقرر کرے گا اور آپ کو حکم ہوگا کہ ان لوگوں کی شفاعت فرمائیے۔ جس کی تفصیل شفاعت والی حدیث میں موجود ہے۔ البتہ شرعی طریقہ یہ ہے کہ مومن کو اللہ سے یوں دعا کرے ''کہ اے اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنا اور مجھے ان لوگوں میں شامل کر جنہیں تو مخصوص کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شفاعت کے لئے اجازت دے گا۔''

یہ سب باتیں امام مالکؒ کے مسلک کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا یہ عقل کے خلاف ہے کہ امام موصوف ابوجعفر المنصور کو یہ کہتے کہ تم قبر کی طرف رخ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرو۔

اس قصے کی سند پر بحث:

اس قصے کی سند میں یک راوی محمد بن حمید ہے۔ جو منکر روایات نقل کرنے میں مشہور ہے۔ نیز اس کا امام مالک سے سماع بھی ثابت نہیں۔ اس طرح اس کی یہ روایت منقطع ہے۔ محمد بن حمید کے بارے میں اکثر ائمہ نے کلام کیا ہے۔ بعض نے اس کو جھوٹا بھی کہا ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ اس کی سب روایات محل نظر ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔ امام جوزجانی کا بیان ہے کہ وہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ اسحٰق بن منصور کہتے ہیں۔ کہ میں قیامت کے دن اللہ کے حضور محمد بن حمید اور عبید بن اسحٰق العطار کے بارے میں گواہی دوں گا کہ یہ دونوں کذاب تھے۔

پھر اس قصے میں امام مالک کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ امام موصوف کے مذہب کے سراسر خلاف ہے۔ امام موسوف نے ''المبسوط'' میں فرمایا کہ جو شخص سفر سے واپس آئے یا سفر کے لئے نکل رہا ہو اس کے لئے حرج نہیں کہ قبر نبوی کے سامنے کھڑا ہو کر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعا مانگے آپ سے کہا گیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ نہ تو سفر سے واپس ہوتے ہیں نہ سفر کیلئے نکلتے ہوئے بلکہ یوں ہی دن میں ایک یا دو مرتبہ ایسا کرتے ہیں اور جمعہ کو اکثر اور عام دنوں میں بھی ایک یا دو مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔امام مالک نے جواب دیا کہ اپنے شہر کے کسی عالم سے میں نے ایسا نہیں سنا اور نہ ہی اس امت کے دور اوّل کے لوگوں کی طرف سے یہ خبر ہم تک پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔قبر پر آ کر سلام پڑھنا اور دعا کرنا صرف اسی کیلئے جائز ہے جو سفر سے واپس آیا ہو یا سفر کے لئے نکل رہا ہو'ان کے علاوہ دوسروں کیلئے جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ سارا قصہ ہی منقطع ہے' کیونکہ محمد بن حمید نے امام مالک کو پایا ہی نہیں خصوصاً ابو جعفر کے زمانے میں۔ابو جعفر کی وفات مکہ میں ۱۵۸ھ میں ہوئی اور امام مالکؒ نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور محمد بن حمید ۲۴۸ھ میں مرا اور جب وہ اپنے والد کے ساتھ اپنے شہر سے حصول علم کیلئے نکلا تو اس کی عمر بہت تھی۔اس کے باوجود محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

ابو زرعہ اور ابن وارہ نے اس کو کذاب کہا ہے'اور صالح بن محمد الاسدی کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولنے میں بڑا جری اور چالاک ہے۔جیسا کہ مذکور ہوا۔یہ قصہ امام مالک اور دوسرے ائمہ اور تمام سلف صالح کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ سب کا متفقہ مسلک یہی ہے کہ جب کوئی شخص آنحضور پر سلام کہے اور آپ کے لئے دعا کرے تو قبر کی طرف رخ کرے اور جب اپنے لئے دعا کرے تو قبلہ رخ ہو کر کرے۔
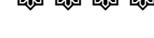
حدیث فاطمہ بنت اسد

اللہ الذی یحی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد ولقنھا حجتھا ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والانبیآء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین ○

ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی مرے گا نہیں۔ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔ اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کے حق کے واسطہ سے۔ تو بے شک ارحم الراحمین ہے۔''

ہم نے پچھلی بحثوں میں کتاب وسُنّت کے قطعی دلائل سے یہ اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینا حرام ہے اور ان کی اللہ پر قسم کھانا بھی حرام ہے اور کون مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو ہمیں اس حرام وسیلے سے منع فرمایا اور آپ ہی سب سے پہلے اپنے قول کی مخالفت کریں گے؟ اور معاذ اللہ حرام وسیلہ کے ذریعہ دعا مانگیں گے؟ کوئی مسلمان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں ٹکراؤ کریں گے کیونکہ آپ نبی ہیں' خطا سے معصوم۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

ترجمہ: ''اور اپنی طبیعت سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ پر کی جاتی ہے۔''

اس متفقہ اصول کی روشنی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ خود اپنی ذات کا وسیلہ اختیار کریں یا اللہ پر اپنا اور پچھلے انبیاء کا حق جتائیں جب کہ خود آپ ہی نے ہمیں یہ بتایا کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ جس بات سے آپ منع کریں اسی کو خود اختیار کریں۔ لہٰذا یہ حدیث فہم ودرایت' اصول شریعت اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے موضوع اور نا قابل حجت ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی روح بن صلاح کو جمہور محدثین نے منکر اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اس طرح متن کے علاوہ سند کے اعتبار سے بھی یہ حدیث دلیل وحجت بنانے کے قابل نہیں اور اس حدیث کو پچھلی تمام موضوع احادیث کی فہرست میں ڈال کر رد کر دینا چاہیے۔ عقائد ایمان کا جزء ہیں جن پر نجات کا مدار ہے اس لئے عقائد کے اثبات کے لئے دلائل کا بالکل قطعی اور یقینی ہونا لازمی ہے۔ منکر موضوع اور واہیات وکمزور سند والی احادیث کو عقیدہ وایمان کے لئے دلیل وحجت بنانا ہرگز جائز نہیں۔ ایسی نام نہاد احادیث سے تو لوگوں کا عقیدہ وایمان خراب وبرباد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق وناحق میں تمیز کی قوت وصلاحیت عطا کرے اور حق کو قبول کرنے اور باطل کو ردّ کرنے کی توفیق دے۔ آمین

❁❁❁❁

اندھے کا قصہ

۵۔ حضرت عثمان بن حنیف کا بیان ہے کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ ''اللہ سے میری عافیت کی دعا فرمایئے۔'' آپ نے فرمایا ''تم چاہو تو دعا کر دوں' لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔'' اندھے نے کہا ''دعا ہی فرما دیجئے۔'' تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا پڑھو۔

اللّٰھُمَّ اِنِیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّی فِیْ حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ○

ترجمہ: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو نبی رحمت ہیں'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! میں آپ کے ذریعہ رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری کی جائے۔ اے اللہ' میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔''

نابینا دعا سے فارغ ہوا اور اس کی روشنی لوٹ آئی۔

اس اندھے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی اور اللہ سے آپ کی دعا کی قبولیت کے لئے خود بھی دعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصرار پر خود بھی دعا فرمائی اور اس سے بھی دعا کرائی۔ اللہ نے اس کے بارے میں آپ کی دعا قبول فرمائی اور اندھا فوراً اسی مجلس میں بینا اور روشنی کا مالک ہو گیا۔ فللّٰہ الحمد۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے دوسرے بھائی کی دعا کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا سکتا ہے۔ یہ ایک مشروع کام ہے۔

اس حدیث سے کچھ لوگوں کو زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔

علامہ شیخ بشیر حسن سہسوانی مولف ''صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان'' فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک شخص ابو جعفر ہے اگر اس سے مراد عیسیٰ بن ماہان ابو جعفر الرازی التیمی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کا خیال ہے تو اکثریت اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہے۔ اور وہ اگر ابو جعفر المدینی ہے تو وہ مجہول ہے۔

لیکن شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابو جعفر سے مراد ابو جعفر الخطمی ہے جو ثقہ ہے۔ اس طرح یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن حدیث کے صحیح ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ بھی ثابت ہوتا ہے؟ اس سے تو الٹے اس کی تردید ہوتی ہے' اور اس سے مومن کی دعا کے ذریعہ مشروع وسیلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اس لئے کہ وہ نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ نہیں بنا رہا تھا **بلکہ آپ کی مقبول دعا کو وسیلہ بنا رہا تھا۔** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا صحت ہی کی امید لے کر آیا تھا۔

(۱) اس لئے اس آتے ہی کہا ''اُدْعُ اللہ اَنْ یُعَافِیَنِیْ'' (آپ اللہ سے دعا فرمایئے کہ مجھے عافیت دے۔)

(۲) آپ نے جواب میں فرمایا ''تم چاہو تو دعا کردوں' لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔''

(۳) اندھا دعا پر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے ''فَادْعُهْ'' (آپ اللہ سے دعا فرمایئے)

(۴) رسول اللہ ﷺ نے اندھے کو جو دعا سکھلائی تھی اس کے آخر میں اس نے کہا ''اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ'' اے اللہ میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کا ہر ٹکڑا دعا کو ثابت کر رہا ہے۔ اندھے کا دعا کی درخواست کرنا' آپ کی طرف سے دعا اور صبر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تلقین فرمانا' لیکن اندھے کا دعا پر اصرار کرنا' آپ کا اندھے کو دعا سکھانا اور خود بھی دعا فرمانا' اور اندھے کا دعا کی قبولیت کیلئے دعا کرنا۔ یہ سب باتیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا وسیلہ لینے کا کوئی تصور ہی نہیں بلکہ صرف دعا کے وسیلہ کی تکرار ہے اور دعا کا وسیلہ مشروع ہے۔ آپ نے دعا فرمائی اور اندھے نے بھی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اندھا بینا ہو گیا۔

اگر آپ کے جاہ' حق اور ذات کا وسیلہ مقصود ہوتا تو اس اندھے کو تکلیف اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا بیٹھا یہ دعا کر لیتا کہ اے اللہ اپنے نبی کے جاہ و مرتبہ کے وسیلہ سے میری روشنی لوٹا دے' لیکن ایسا نہ وہ سمجھتا تھا' نہ صحابہ کرام ہی اس قسم کے وسیلہ سے واقف تھے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت دیتے۔ نیز صحابہ کرام محدثین وائمہ کرام میں سے کسی نے اس واقعہ سے شخصیت اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو نہیں سمجھا۔ سب نے دعا کا وسیلہ سمجھا۔ اب جو بھائی اس حدیث کو اپنے مطلب کے مطابق استعمال کرنا چاہتے ہیں تو کسی کے چاہنے سے حدیث کا مفہوم کیسے بدل سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح عطا فرمائے اور احادیث کو سمجھنے کی اسی طرح توفیق بخشے جس طرح صحابہ کرام اور ہمارے سلف صالحین سمجھتے تھے۔

❁❁❁❁

حضرت عثمانؓ اور ایک حاجتمند کا واقعہ

۶۔ طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس آیا کرتا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ اس کی طرف توجہ کرتے اور نہ شکایت پر کان دھرتے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے کہا، وضوخانے میں جا کر وضو کرو اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو نبی رحمت ہیں'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کے ذریعہ رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری کی جائے۔ اے اللہ، میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما'' یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت کا ذکر کرنا۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے دروازہ پر پہنچا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا اور ان کے پاس بٹھا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ ''اپنی حاجت بیان کرو۔'' اس نے بیان کی تو آپ نے پوری کر ڈالی اور فرمایا، جو بھی ضرورت ہو کہنا۔

وہ شخص وہاں سے اٹھ کر عثمان بن حنیف کے پاس گیا اور کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان تو میری طرف رخ ہی نہیں کرتے تھے، لیکن آپ نے ان سے گفتگو کی تو متوجہ ہوئے۔ ابن حنیف نے کہا، واللہ میں نے تو ان سے بات تک نہیں کی، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آیا اور اپنے اندھے پن کی شکایت کی، پھر نابینا والی پوری حدیث بیان کی۔

تبصرہ:

اس حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے تو پورا متن ہی الفاظ کی بناوٹ اور افکار و معانی کی سجاوٹ سے آراستہ ہے اور حقیقت و سچائی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ملاحظہ ہو:

گویا حضرت عثمان اتنے بدخلق ہیں کہ مسلمانوں کے حالات اور ان کی ضروریات سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ لوگ ان سے بار بار ملنے جاتے اور وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ لوگ ان کی بدخلقی اور سخت گیری سے تنگ آ کر ان کو متوجہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں، تب کہیں جا کر وہ سنتے اور نرم پڑتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک).

خلیفہ راشد، امیر المومنین (شہید مظلوم) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو قرابت نبوی کے لحاظ سے ''ذوالنورین'' تھے

جنہیں دربارِ نبوت سے ''کامل الحیاء والایمان'' کا خطاب ملا تھا۔ جو خلافت سے قبل بھی اور خلافت کے بعد بھی خلق اللہ پر شفیق تھے رفاہی کاموں میں سب سے آگے اور عوام کی خدمت میں پیش پیش رہا کرتے تھے' مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انہوں نے بے مثال یادگاریں چھوڑیں وہ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھی جاتی رہیں گی۔ اور محبت وعقیدت سے پڑھی جائیں گی۔ ان کے متعلق اس قسم کی روایات کذب وافتراء نہیں تو اور کیا ہیں؟ خلیفہ ثالث کے متعلق یہ باتیں جو شخص بھی پڑھے گا وہ اس روایت کو موضوع ہی کہے گا' کیونکہ حقیقت کو حکایت سے نہیں بدلا جاسکتا۔

(۲) ہم اس سے پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں وسیلہ اسی کو کہا جاتا تھا کہ کوئی شخص کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرتا اور اس کی دعا کے وسیلے سے اپنی حاجات اللہ سے طلب کرتا۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ دعا کرنے والے کی شخصیت کو وسیلہ بنانا چاہئے۔

صحابی جلیل حضرت عثمان بن حنیف یہ خوب جانتے تھے کہ اس دعا کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک سے تھا اور آپ کی وفات کے بعد اس دعا کا پڑھنا ممنوع اور حرام ہے' کیونکہ اس سے مخلوق کی ذات کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ جب دعا کرنے والا موجود نہیں تو دعا کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی۔ اس لئے کسی صحابی رسول کے بارے میں یہ سوچنا کہ انہوں نے فعل حرام کی تعلیم دی ہوگی صاف کذب وافتراء ہے جس کا صداقت وحقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

نیز دعا میں سب سے اہم چیز داعی کا وجود ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت پا چکے اب '' يَا مُحَمَّدُ اِنِّي اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّي فِيْ لِتَقْضِي حَاجَتِيْ '' کہنا ممکن نہیں رہا۔ دعا کے اس ٹکڑے ہی سے واضح ہوجاتا ہے کہ پورا قصہ مصنوعی ہے اور حضرت عثمان بن حنیف کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ایک وجہ اور بھی ہے کہ کسی مخلوق کی ذات کو وسیلہ بنانا جاہلیت کا شعار ہے جس سے اللہ نے تمام صحابہ اور اہل ایمان کو نجات دی' ان کے قلوب کو اس سے پاک وصاف کیا۔ لہٰذا کسی مسلمان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شعار جاہلیت کی تعلیم دے گا' چہ جائیکہ کسی صحابی رسول کے بارے میں سوچا جائے۔

(۴) اگر یہ دعا جو آپ نے اس اندھے کو سکھائی تھی ہر زمانے میں اور ہر شخص اور ہر مرض کیلئے مفید تھی تو آج روئے زمین پر نہ کوئی اندھا موجود ہوتا نہ مریض وحاجت مند۔ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب ہی اس سے فیض اٹھاتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہی دعا ایک نابینا کو سکھائی تھی' اور حضرت عثمان بن حنیف نے یہی دعا ایک حاجتمند کو سکھائی۔ لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟ ہرگز نہیں' اس واقعہ سے تو ایک صریح بدعت کی ترغیب دی جارہی ہے۔ جو فعل مردود وملعون ہے۔

غرض یہ حدیث کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں' اس کا موضوع ہونا اظہر من الشمس ہے۔

حدیث توسّلوا بجاهی

۷۔ اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰہَ فَسْئَلُوہ بِجَاھِیْ فَاِنَّ جَاھِیْ عِنْدَ اللہِ عَظِیْمٌ ○

ترجمہ: ’’جب تم اللہ سے سوال کرو تو میرے جاہ کے وسیلہ سے سوال کرو‘ کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ بڑا ہے۔‘‘

اس روایت کو حدیث کہتے ہوئے بھی کراہت معلوم ہوتی ہے۔ساری امت اس حدیث سے غافل ہے۔اسے صرف وہی افراد حدیث کہہ کر بیان کرتے ہیں جو مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے قائل ہیں اور اس پر عامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ پر ہر مومن کا اعتقاد و ایمان ہے۔ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا قرار کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاہ و مرتبہ اللہ کے نزدیک آسمان و زمین کی تمام مخلوقات سے زیادہ برتر و اشرف ہے۔اللہ رب العزت کے بعد کائنات میں علم و فضل اور جاہ و مرتبت کے لحاظ سے آپ ہی سب سے بلند و برتر ہیں۔آپ کے جاہ و مرتبہ کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کرسکتی۔

اور یہ جاہ عظیم آپ کو اللہ نے آپ کے اعمال صالحہ‘ دعوت الی اللہ‘ جہاد فی سبیل اللہ‘ بے مثال بندگی‘ صبر و استقامت کے صلہ میں عطا فرمایا ہے۔یہ آپ کے عمل اور سعی مشکور کا نتیجہ ہے‘ جس کی جزائے عظیم آپ ہی کو ملے گی اور کسی کو اس میں دخل ہے نہ حصہ۔حتیٰ کے اپنے خاندان والوں کو بھی آپ نے صاف صاف باخبر کردیا ہے کہ آپ لوگ اپنے عمل سے اپنی نجات کا سامان کریں۔میں آپ لوگوں کو اللہ کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا‘ اور اللہ کا ارشاد ہے۔

وَاَنَّ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ‘ ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ○

ترجمہ: ’’اور یہ کہ انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی اور اس کی یہ کوشش دیکھی جائے گی پھر اسکو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔‘‘

یعنی ہر انسان اپنے ہی اعمال کی جزا کا مستحق ہے۔دوسروں کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔آپ کا کوئی دوست یا بھائی اگر بڑا عامل یا صالح ہے تو آپ کو یہ حق کیسے مل گیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ’’میرا فلاں بھائی بہت بزرگ اور صالح ہے اس لئے اس کے عمل کے واسطے سے مجھے بخش دے یا میری حاجت روائی فرما۔‘‘ تو آپ خود سوچیے کہ آپ کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے؟ صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ آپ بھی اپنے بھائی کی طرح اعمال صالحہ کرتے اور اپنے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے جو چاہتے سوال کرتے۔

بس اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاہ و مرتبہ آپ کی کتاب میں لکھ دیا گیا اور آپ کے لئے مخصوص ہے۔ہم کو یا کسی اور کو اس سے کوئی حصہ نہیں ملنے والا۔لہٰذا کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ آپ کے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگی جائے۔بلکہ ہر شخص کو یہ

حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے' تا کہ اتباع رسول کے صلہ میں اللہ اس کو بھی جاہ مرتبت عطا فرمائے اور اپنے اسی جاہ و مرتبت کے وسیلہ سے مومن اللہ سے دعا کرے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ کا مطلب کوئی شخص یہ لیتا ہے کہ آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے تو یہ بالکل حق اور درست ہے۔ لیکن اس میں کسی امتی کوئی دخل نہیں۔ شفاعت صرف آپ کا حق ہے اور وہ بھی محض اس کے لئے جس کے لئے اللہ خاص اجازت دے' اور وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ وہ مخصوص ہے قیامت کے دن کے لئے۔ لہٰذا اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حق کا سہارا لے کر کوئی شخص آپ کے جاہ و مرتبہ کا وسیلہ لینے لگے۔

اس پوری بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حدیث کا کوئی لفظ قول رسول نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بالکل بری ہیں۔ یہ قرآن و تعلیم نبوی ﷺ دونوں کے خلاف ہے۔ یہ آپ پر سراسر کذب و افتراء ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں اسی کی امت کو تعلیم دیں۔

اس کے علاوہ یہ ایک ایسی بے سر پیر کی حدیث ہے جس کا نہ کتب حدیث میں کہیں پتہ ہے نہ نشان۔ علامہ ابن تیمیہ اس حدیث سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بے نشان و بے لگام ہے جس کی نہ سند صحیح نہ متن۔

جو لوگ اس بے اصل اور موضوع حدیث کو صحیح مانتے ہیں وہ ہماری اس جرح کو پڑھ کر چراغ پا ہو جائیں گے اور شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ہم کو توہین رسول کا مجرم گردانیں گے۔ ہم ایسے حضرات پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ محبت رسول میں ہم ان سے زیادہ سخت اور جذباتی ہیں اور ہم اس شخص کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے جو ایک نقطے کے برابر بھی توہین رسول کا مرتکب ہے' بلکہ ایسے شخص کا لا الــــہ الا اللہ بھی پڑھنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ رسول کی کامل محبت دراصل اللہ کی محبت ہے۔ اور (معاذ اللہ) رسول اللہ سے نفرت دراصل اللہ سے نفرت کرنی ہے اور جو شخص اس درجہ پر پہنچ جائے اس کا دین و ملت سے کوئی تعلق نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ جان و مال اور آل و اولاد سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے۔ اگر کسی کو اللہ و رسول اس کی جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ عزیز نہیں ہیں تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔ لیکن محبت رسول اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ کے رسول جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرنا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہی محبت ہے۔

ہم تمام اہل ایمان سے پوچھتے ہیں کہ کیا باطل روایات اور موضوع و منکر احادیث پر اعتقاد رکھنا' ان کی اشاعت کرنا ان پر عمل کرنا بھی محبت رسول ہے؟ یا ان کی توہین! محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی طرف منسوب کی جانے والی تمام غلط باتوں کو رد کیا جائے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور کی جانے والی جھوٹی باتوں کی قلعی کھولی جائے اور لوگوں کو اس سے روکا جائے۔ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ جو لوگ شرک و بدعات کو اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر پھیلاتے ہیں وہ محبت کرتے ہیں یا جو ان کی تردید کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مقدس اور بلند ذات کو بہتان و کذب سے صاف کرتے ہیں' وہ سچی محبت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے تو ان لوگوں کو مبارک باد دی ہے جو امت کے ذہنی و اعتقادی بگاڑ کی اصلاح کریں، اور دین میں داخل کی گئی نئی نئی باتوں کی تردید کر کے دین کو اصلی حالت میں رکھنے کی کوشش کریں، اور سُنّت صحیحہ کی تعلیم و اشاعت میں مصروف ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی طرف منسوب کی جانے والی من گھڑت باتوں کا کھوج لگائیں اور ان کے حقیقی اقوال و احکام کو عام کریں، اور دین و شریعت کو شرک و بدعت اور رسوم و خرافات سے پاک کریں۔

۸۔ ’’جب مشاغل تم کو عاجز کر دیں تو قبر والوں سے مدد طلب کرو۔‘‘

یہ جملہ پڑھئے اور مسلمانوں میں پھیلائی گئی جہالت کا ماتم کیجئے۔ جہالت اور تعصب اور دنیا کمانے کی حرص نے لوگوں کو اس قدر اندھا اور بے عقل بنا دیا ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات، قرآن کی روشن آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں تضاد نہیں۔

اول تو مردے سنتے نہیں، وہ ہمیں مدد کس طرح پہنچائیں گے؟ وہ تو خود ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں۔ نیز اللہ کا ارشاد ہے؛

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ ○

ترجمہ: ’’(کون ہے جو بے قرار کی فریاد پوری کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے۔‘‘

(اس آیت میں تو اللہ نے مصیبت زدہ کی فریاد سننے کی خود بشارت دی ہے جب کہ اوپر والی روایت میں مردوں سے سہارا لینے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ کا تو ارشاد ہے۔)

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ○

ترجمہ: ’’مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنوں گا۔‘‘

(اور اس روایت میں قبر والوں سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کا تو ارشاد ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ○

ترجمہ: ’’جب میری بابت بندے آپ سے پوچھیں تو میں ان کی پکار سنتا اور قبول کرتا ہوں۔‘‘

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ○

ترجمہ: ’’جب پکارنے والے مجھے پکارتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں۔‘‘

اللہ تو اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ بندے ہر حال میں اپنے مولیٰ کو پکاریں اور اس روایت میں قبر والوں سے مدد مانگنے اور سہارا لینے کا حکم ہے۔

ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ٹکرا رہی ہے۔

❁❁❁❁

حدیث استسقاء بلال رضی اللہ عنہ بن حارث

۹۔ بیہقی اور ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ کی خلافت کے زمانے میں قحط پڑا تو صحابی رسول بلال بن حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے' لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ان کے پاس آئے اور ان کو بشارت دی کہ لوگوں کو جلد ہی بارش سے سیراب کر دیا جائے گا۔

اس حدیث کے متن پر غور:

سب سے پہلے ہمیں چاہئے کہ اس حدیث کے الفاظ سے جو باتیں ثابت ہو رہی ہیں ان پر غور کر لیں اور انہیں شریعت کی میزان پر تول لیں' خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ اگر متن و سند دونوں اعتبار سے صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ورنہ ردّ کر دینا چاہئے۔

(۱) استسقاء کسے کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح استسقاء کرتے تھے؟

(۲) کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ مردوں کو مخاطب کیا جائے اور زندہ لوگ مردوں سے اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے سوال کریں؟

(۳) کیا مردے سن سکتے ہیں اور پکارنے والے کے مطلب کا جواب دے سکتے ہیں؟

(۴) کیا خواب کی بھی دین میں کوئی اصولی حیثیت ہے اور وہ کیا دلیل بن سکتے ہیں؟

(۵) اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کیلئے بارش طلب کرنے کی درخواست کی تھی وہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث ہیں یا نہیں؟

(۶) جب صحابی شریعت کی مخالفت کرے تو تو ان کی اس مخالف بات کی اتباع جائز ہے یا اس کو چھوڑ کر شریعت کی اتباع کی جائے؟

(۷) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تو کوئی مجہول شخص ہے تو اس کے بعد اس کے اس عمل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

(۸) سند کے اعتبار سے اس واقعہ کی تحقیق!

اب ہم سلسلہ وار تمام سوالات پر غور کرتے ہیں۔

ا۔ استسقاء یہ ہے کہ کسی زندہ صالح شخص سے درخواست کی جائے کہ وہ بارش کے لئے اللہ سے دعا کرے جس سے شہر اور بندگان اللہ سیراب ہو جائیں۔ چنانچہ وہ مرد صالح دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں۔ مشروع وسیلہ کی بحث میں ہم نے مومن کی دعا کے وسیلہ کے ذکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استسقاء اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت کے استسقاء کا بیان مفصل کر چکے ہیں، وہیں یہ بحث دوبارہ دیکھ لینی چاہئے۔ صفحہ 14

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے استسقاء کی پوری حقیقت۔ لیکن زیر بحث حدیث کا تو اس مسنون استسقاء سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جیسا کہ اس میں ذکر ہے بلال بن حارث یا کسی اور نے بارش کی دعا کے لئے کسی زندہ سے درخواست ہی نہیں کی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں آپ کی قبر پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ نے جس کو وفات دے کر اپنے پاس بلا لیا اس سے کس طرح دعا کی درخواست کی جا سکتی ہے اور کیا حقیقت میں آپ نے اس سائل کی درخواست پر اللہ سے دعا فرمائی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ممکن بھی نہیں۔ اس لئے کہ وفات کی وجہ سے آپ کا عمل منقطع ہو گیا اور دعا ایک عمل ہے جسے مردہ شخص نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوا کہ آپ نے دعا نہیں فرمائی اور استسقاء کا عمل واقع نہیں ہوا، کیونکہ اس کا سب سے اہم جز ''دعا'' عمل میں آیا ہی نہیں۔

مُردوں سے خطاب:

شریعت اسلامیہ میں مردوں سے بات چیت، ان سے سوال اور دعا کی درخواست جائز نہیں۔ کیونکہ ان کا عمل ان کی وفات کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية أوعلم ينتفع به أوولدٍ صالحٍ يدعو له ○

ترجمہ: ''جب انسان مر چکا تو اس کا عمل ختم ہو گیا سوائے تین طریقہ کے 'صدقہ جاریہ' یا نفع بخش علم' یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔''

لوگ نہ جانے کس طرح مردوں سے حاجات پوری کرانے کی درخواست کرتے ہیں، جب کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ حیّ وقیوم موجود ہے، اس سے سوال نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سننے والا ہے۔

کیا مردے سنتے ہیں؟:

سائل اور مجیب کے درمیان ربط و اتصال کا واحد ذریعہ سماعت (سننا) ہے۔لیکن جب صورت یہ ہو کہ سائل سوال کرے مگر جواب دینے والا سن ہی نہ سکے تو جواب کیسے دے گا۔

یہاں یہی صورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا کر سننے سے محروم ہو گئے‘لہٰذا جو لوگ آپ کو پکارتے اور سوال کرتے ہیں‘جب آپ ان کی آواز ہی نہیں سن سکتے تو جواب کیسے دیں گے؟ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ○ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ○

ترجمہ:’’آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے○ اور آپ نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں ہیں۔‘‘

۴۔ خواب کی دینی حیثیت:

اور خواب اصول دین میں سے نہیں ہے کہ وہ کسی مسئلہ کی دلیل بن سکے۔البتہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں آپ کی بشری صورت میں دیکھا جائے تو وہ خواب حق ہے۔اس لئے کہ شیطان آپ کی صورت کی نقل نہیں اتار سکتا۔اگر خواب میں بلال رضی اللہ عنہ بن حارث ہی نے آپ کو دیکھا تھا تو وہ یقیناً آپ کو پہچان گئے ہوں گے کیونکہ وہ صحابی رسول تھے اور ان کو خواب میں آپ کو دیکھنا حق اور درست ہے اور آپ نے جو بشارت خواب میں دی وہ سچی ہے‘اور یہ خواب کا معاملہ ہے‘اس کا قبر پر جانے اور حادثہ سے کوئی تعلق نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں بشارت دینا کسی دعا اور درخواست کا محتاج نہیں۔لہٰذا اس واقعہ کا اس حادثہ اور مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

۵۔ اس روایت میں بلال رضی اللہ عنہ بن حارث کے نام کی تحقیق نہ ہو سکی۔دوسری روایات میں بلال کے بجائے’’صرف ایک شخص‘‘کا ذکر ہے اور وہ شخص مجہول اور نامعلوم ہے۔اس لئے واقعہ اپنی روایت کے اعتبار سے بھی مشتبہ اور کمزور ہے۔

٦۔ صحابی کی شرعی حیثیت:

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس واقعہ کا تعلق بلال رضی اللہ عنہ بن حارث ہی سے ہے تب بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔اس لئے کہ انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں صحابی ہوں یا کوئی اور خطا کا امکان سب سے ہے۔لہٰذا اگر صحابی نے بھی کوئی غلطی کی بدعت کا ارتکاب کیا یا اجتہاد میں خطا ہوئی تو وہ بے شک ناقابل عمل ہے۔نیز اجتہاد نص کے برابر تو ہے نہیں اور جب اجتہاد کے مقابلے میں نص موجود ہو تو اجتہاد کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اور جب صحابی دیگر تمام صحابہ کرامؓ کے خلاف اجتہاد کرے تو اس کو بھی ردّ کر دیا جائے گا۔

البتہ اگر کسی معاملے پر تمام صحابہ کا اجماع ہو جائے تو وہ حجت ہوگا کیونکہ اجماع دین کے اصول اربعہ میں سے ایک اصل ہے۔

۷۔ نامعلوم شخص کا اجتہاد:

اگر استسقاء کا طالب کوئی نا معلوم شخص تھا تب تو اس کو دلیل بنانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تنہا کسی صحابی کا اجتہاد جب وہ عام صحابہ سے ہٹ کر اجتہاد کرے قابل قبول نہیں تو کسی مجہول شخص کا کیا اعتبار؟

۸۔ سند حدیث پر بحث:

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔

انه جاء رجل الی قبر النبی صلی الله علیه وسلم فقال کذا وکذا ○

اس روایت میں بلال بن حارث کے بجائے ''رجل'' ایک شخص کا ذکر ہے۔ نہ معلوم وہ کوئی دیہاتی تھا یا کون تھا؟ اور جب بالفرض بلال بن حارث بھی ہوتے تو ان کا یہ عمل قابل قبول نہ تھا تو کسی دیہاتی مجہول شخص کا کیا شمار جو دین کے اصول و آداب سے بھی واقف نہیں۔

سیف بن عمر الضبی نے ''فتوح'' میں روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث ہی ہیں۔ لیکن اس ''سیف'' کا حال یہ ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک مجہول، ضعیف، متروک، زندیق، جیسے الفاظ سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی روایت کا کیا اعتبار؟

لہٰذا یہ پوری حدیث متن مفہوم اور سند کے اعتبار سے نا قابل حجت ہے۔

عباسؓ سے دعاء استسقاء کی درخواست

۱۰۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ کا معمول تھا کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے استسقاء کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''اے اللہ ہم تیرے نبی کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے تو ہمیں تو سیراب کرتا تھا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بنا کر بارش مانگتے ہیں' تو ہمیں بارش عطا فرما۔'' تو بارش ہوا کرتی تھی۔

یہ حدیث صحیح ہے اور مشروع وسیلہ کی بحث میں مومن کی دعا کے عنوان کے تحت اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہ حدیث تو دلیل ہے اس بات کی کہ مومن کی دعا اپنے مومن بھائی کیلئے وسیلہ ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں نے اسے نہ جانے کس طرح مخلوقات کی ذات کے لئے وسیلہ کی دلیل بنا لیا۔ اس لئے اب اس پر از سر نو غور و تحقیق کی ضرورت ہے' تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس سے کون سی حق بات ثابت ہو رہی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس بات کے لئے پابند کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے بارش کی دعا کریں اور ان کو مقرر کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اور اسی نسبی رشتہ کی بنا پر ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دی جس سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہو گئیں۔

اول:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ دوسرے سے دعا کی درخواست کی۔

دوم:

آپ نے استسقاء کی دعا کیلئے خاص طور پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

یہ دونوں ہی باتیں نہایت اہم اور قابل غور ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی دعا کا وسیلہ ترک کر دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دعا کے لئے منتخب کیا جب کہ صحابہ کرام میں اس وقت ان سے افضل صحابہ جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرات عشرہ مبشرہ موجود تھے۔

ان سوالوں کے جوابات کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس موقعہ پر استسقاء کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

مسلمانوں کا معمول کیا تھا؟ اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کا دہرا لینا مناسب اور کافی ہوگا۔ فرماتی ہیں۔

''لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارش کے قحط کی شکایت کی۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ''مصلّٰی'' میں آپ کیلئے منبر رکھا جائے اور ایک دن مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ اس دن لوگ جمع ہو جائیں۔ دھوپ نکل جانے کے بعد آپ سب کو لے کر نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد و تکبیر کی' پھر فرمایا آپ لوگوں نے اپنے علاقوں میں خشکی کی شکایت کی ہے' جب کہ اللہ کا حکم ہے کہ اس سے دعا مانگو' اس کا وعدہ ہے کہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر آپ نے یہ دعا پڑھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ ، لَا اِلٰــہَ اِلَّا اَنْتَ ، اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الفُقَرَاءُ ، اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ ، وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ قُوَّۃً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ ○

ترجمہ: ''سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے جو بڑا مہربان بڑی رحمت والا ہے' جو جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ نازل فرمائے اسے ایک مدت کے لئے قوت اور نفع بخش بنا۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور برابر دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ پھیری' اور اپنی چادر پلٹی اور آپ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے' پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

اللہ نے بدلی پیدا کی جو گرجی' چمکی پھر حکم الٰہی سے برسی۔ آپ ابھی مسجد تک واپس نہ لوٹے تھے کہ نالے کوچے سیلابی شکل میں بہنے لگے۔ آپ نے لوگوں کو پناہ گاہوں کی طرف بھاگتے دیکھا تو ہنس پڑے یہاں تک کے آپ کے دندان مبارک چمک اٹھے اور فرمایا: اَشْھَدُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ وَّاَنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ○ (حاکم' ابوداؤد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ایک شخص مسجد میں میں جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ وہ پکار اٹھا' یا رسول اللہ' مال تباہ ہو گئے' راستے بند ہو گئے' آپ اللہ سے ہماری دادرسی کی دعا فرمایئے۔'' آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ○

ترجمہ: ''اے اللہ ہماری فریاد سن' اے اللہ ہماری فریاد سن' اے اللہ ہماری فریاد سن۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ واللہ' اس وقت تک آسمان میں کوئی بدلی نہ تھی نہ کوئی بدلی کا ٹکڑا' اور ہمارے اور سلع کے درمیان کوئی گھر بھی حائل نہ تھا کہ یکا یک سلع کے پیچھے سے ایک بدلی ڈھال کی طرح نمودار ہوئی اور جب آسمان کے درمیان آ گئی

تو پھیل گئی اور برسنے لگی ۔واللہ! پھر تو ہم نے ایک ہفتہ تک سورج ہی نہ دیکھا ۔اگلا جمعہ آیا تو وہی شخص اسی دروازہ سے پھر داخل ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے' اس نے کھڑے ہی کھڑے کہنا شروع کیا۔''یارسول اللہ! مال برباد ہو گئے' راستے بند ہو گئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ بارش بند فرمادے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھادیئے اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ' اَللّٰھُمَّ عَلَ الاکَامِ والظِرَاب وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَر ○

ترجمہ: ''اے اللہ ہم پر نہیں' ہمارے آس پاس برسا۔اے اللہ' پہاڑوں پر' ٹیلوں پر اور وادیوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر۔''

بارش بند ہو گئی' ہم جمعہ پڑھ کر نکلے تو دھوپ چمک رہی تھی ۔(بخاری ومسلم)

ان دونوں ہی حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کیلئے درخواست کرتے تھے' اور آپ دعا فرمادیا کرتے تھے ۔لہٰذا استسقاء کی سُنّت یہ ہوئی کہ صلوۃ الاستسقاء کے علاوہ کسی سے دعا کی درخواست کی جائے اور وہ دعا کر دیا کرے۔

اس تفصیل کے بعد اب آپ پچھلے سوالات کی طرف رجوع کیجئے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ سے محض اسی بنا پر دعا کی درخواست کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور استسقاء کی کوئی سُنّت بھی آپ ادا نہیں فرما سکتے تھے' نہ استسقاء کی نماز پڑھا سکتے تھے' نہ آپ سے دعا کی درخواست ممکن تھی' نہ ہی آپ دعا فرما سکتے تھے۔یہ سب باتیں آپ کی وفات کی بنا پر آپ سے ناممکن ہو گئی تھیں ۔اس لئے آپ نے دعا کی درخواست کی۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا استسقاء کے لئے منتخب فرمایا جب کہ ان کے علاوہ صحابہؓ میں عمل' صلاح اور اسلام میں اولیت کے لحاظ سے زیادہ افضل لوگ موجود تھے' مثلاً خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ وغیرہ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہاں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق کو زیادہ ترجیح دی ۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے' اس لئے آپ نے اسکا خاص طور پر خیال رکھا ۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں بھی اسی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا' چنانچہ جب انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو فرمایا۔

''اے اللہ! بلا صرف گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے' اور وہ صرف توبہ ہی سے دور ہوتی ہے' اور لوگوں نے مجھے تیری طرف اس لئے پیش کیا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے' اور گناہوں سے رنگین یہ ہاتھ تیری جناب میں اٹھے ہوئے ہیں اور پیشانیاں توبہ سے تیری بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں' اے اللہ تو ہمیں بارش عطا فرما۔''

پھر موسلا دھار بارش برسی۔

دیکھئے اس دعا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے صاف اس وجہ کو بیان کیا جس کے سبب دعا کے لئے ان کا انتخاب ہوا تھا، یعنی لمکانی من نبیّك (میرا نسبی رشتہ تیرے نبی سے قائم ہے۔)

اس تفصیل سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کو وسیلہ بنانا نہ تھا۔ بلکہ صرف آپ کی دعا کو وسیلہ بنانا تھا اگر ذات مقصود ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی، لیکن چونکہ اللہ کی بارگاہ میں کسی زندہ و مردہ شخص کی ذات وسیلہ نہیں بنتی، بلکہ اس کی دعا وسیلہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں بھی آپ کی ذات کو لوگ وسیلہ نہیں بناتے تھے، بلکہ صرف آپ کی دعا کا وسیلہ چاہتے تھے۔ ذات کا وسیلہ مقصود ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ ''اے اللہ تیرے نبی کی زندگی میں تیرے نبی کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے اور اب تیرے نبی کے چچا کی دعا کا وسیلہ لیتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ فرماتے ''اُدْعُ یَا عَبَّاسُ '' (اے عباس، آپ دعا فرمایئے) بلکہ براہ راست فرماتے کہ اے اللہ تیرے نبی کی ذات کے وسیلہ سے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں (معاذ اللہ) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے اس قسم کی کوئی دعا مذکور نہیں۔

لہٰذا اس حدیث سے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا ثبوت پیش کرنا بالکل غلط اور حقیقت کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ حدیث تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مومن کی دعا اس کے بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے۔

ذرا مسلمانوں کے تعامل پر بھی نظر ڈالئے۔ لوگ جب استسقاء کے لئے نکلتے ہیں تو شہر کے سب سے صالح شخص کو نماز و دعا کے لئے آگے بڑھاتے ہیں۔ اس وقت سب ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اس مرد صالح کی دعا کی برکت سے اللہ ہماری فریاد سنے گا، جیسا کہ عہد نبوی سے ہوتا آیا ہے۔ کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ مرد صالح کی دعا کے بجائے ان کی ذات کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر ان کی ذات مقصود ہوتی تو کسی کو لانے اور سامنے کرنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ ہر شخص اپنی دعا میں یہ کہہ دیتا کہ اے اللہ فلاں کی ذات کے وسیلے سے ہمیں بارش عطا فرما۔ کسی کو بلانے، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے اور اس کی دعا پر آمین کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ حالانکہ جمہور مسلمانوں کا عمل اس کے خلاف ہے، لہٰذا تعامل اہل اسلام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ استسقاء کی اس حدیث کو مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کی دلیل بنانا غلط اور محض جہالت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور ہمیں سُنّت سید الانام کو مضبوطی سے پکڑنے کی سعادت بخشے۔ آمین

❁❁❁❁

حدیث عام الفتق

۱۱۔ دارمی نے اپنی صحیح میں ابوالجوزاء سے روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ بڑے شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے ۔آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھولو تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوئی اتنی کہ خوب سبزے اگے'اونٹ چر کر اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی بہنے لگی۔''

حدیث کے متن پر بحث:

اس حدیث کے متن پر جو شخص بھی غور کرے گا اس پر اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کی پوری حقیقت واضح ہوجائے گی اس حدیث کے الفاظ ہی اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کا ثبوت ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اوپر مکان کی چھت کھول دی جائے تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت کا پردہ حائل نہ ہو'یہ بات سمجھ سے بالا تر ہے' کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں دفن کئے گئے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بدستور اسی کمرے میں رہتی رہیں۔پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہی گھر کو منہدم کر دینے اور ویرانہ بنا دینے کا حکم دیں گی اور گھر میں بلا چھت کے سکونت پذیر رہیں گی؟

(۲) اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ کے مطابق چھت بھی ہٹادی گئی اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ نکال دیا گیا تو کیا جسم مبارک کو ظاہر کرنے کیلئے قبر بھی کھول دی گئی؟ اور اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو بتایا جائے کہ ایسا کب کیا گیا اور کس طرح کیا گیا؟ اور اتنی اہم خبر تاریخ کے صفحات سے اب تک کیسے غائب اور مخفی رہی گئی؟

(۳) اگر جسم اطہر کو کھولتے ہی آسمان سے بارش شروع ہوجایا کرتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قحط پڑا تھا اور لوگوں کے مال واسباب تباہ ہورہے تھے۔اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر آسمان کے سامنے کھلی فضا میں موجود تھا'لیکن اس کے سبب بارش نہیں ہوئی' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے نکل کر میدان میں جانا پڑا اور استسقاء کیلئے نماز پڑھانی پڑی اور تضرع وعاجزی کے ساتھ دعا مانگنی پڑی پھر کہیں آپ کی نماز ودعا کی برکت سے بارش ہوئی۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب بارش کا یہ نسخہ معلوم تھا تو قحط پڑنے پر فوراً ہی کیوں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

کہلوا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قحط کی اس سختی وشدت میں عوام کو خواہ مخواہ مبتلا رکھا؟ قحط پڑتے ہی کیوں نہ قبر سے جسم اطہر کو جھروکے کے ذریعہ کھلی فضا کے سامنے کر دیا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ انہوں نے اس نسخہ کو استعمال نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خود بھی لوگوں کو لے کر میدان میں پہنچے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی، تب کہیں جا کر بارش ہوئی۔

(۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آسمان تک روشن دان کھول دیا گیا ہوگا تو بارش آنے کے بعد قبر میں بھی پانی آیا ہوگا اور حجرے میں بھی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں رہی ہوں گی؟

(٦) صحیح روایات کے مطابق جب دیہاتی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور دیہاتی نے شدید قحط سالی اور اس کے سبب مال واسباب کی بربادی کی شکایت کی تو آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جو ہفتہ بھر جاری رہی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ کو پھر وہی دیہاتی ٹھیک اسی وقت جب کہ آپ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے، مسجد میں آیا اور بارش کا کثرت کا رونا رو کر فریاد کی کہ سیلاب سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ آپ بارش بند ہونے کی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، بارش تھم گئی ورسورج چمکنے لگا۔

یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا جب آپ کا جسم اطہر مسجد کی چھت کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اللہ نے محض آپ کی دعا کی برکت سے بارش نازل بھی فرمائی اور روک بھی دی۔ اگر جسم اطہر کے فضا میں کھلتے ہی بارش ہونے لگتی تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر یہ دعا نہ فرماتے بلکہ صحن مسجد میں آ کر کھڑے ہو جاتے اور بارش ہوگئی ہوتی۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیا خود ساقی کوثر ہی کو یہ نسخہ معلوم نہ تھا؟

(۷) پھر جب ایسا ہی تھا تو قبر شریف کو ہمیشہ کھلی رکھنا چاہئے تھا۔ اس کو گنبد خضراء سے ڈھانکنے اور چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ تا کہ جب کبھی ضرورت پڑتی خود بخود بارش ہو جاتی، اور حجاز کیلئے تو اور بھی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اس کے موسم پر خشکی غالب ہے اور وہ علاقہ دوسروں کی بہ نسبت پانی کا زیادہ محتاج ہے۔

(۸) اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ بارش کی کثرت سے خوب سبزہ اگا اور اونٹ چر کر اتنے فربہ ہو گئے کہ ان کی چربی بہہ پڑی، اور اسی لئے اس سال کو عام الفتق کا نام دے دیا گیا۔

لیکن سوچئے کہ اس وقت لوگوں کے پاس صرف اونٹ ہی تو نہیں ہوں گے بلکہ اونٹ کے علاوہ بکریاں، گائے اور گھوڑے وغیرہ بھی رہے ہوں گے، لیکن یہاں ذکر صرف اونٹوں ہی کا ہے۔ ممکن ہے اختصار کے خیال سے صرف اونٹ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہو اور مراد سب ہی جانور ہوں کہ جز، کہہ کر کل بھی سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اگر مراد سب ہی جانور ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سال مکمل بربادی اور تباہی کا تھا اور اس بارش نے تمام جانوروں کو خراب اور ناکارہ بنا ڈالا اور بجائے رحمت کے یہ عذاب ہی کا باعث بنی۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

شیخ دحلان نے اپنی کتاب ''الدررا السنية في الرد علی الوهابية''میں اس حدیث کو اس ثبوت میں نقل کیا ہے کہ مخلوقات کی ذات اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ جائز ہے۔

شیخ دحلان کا جواب علامہ بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان'' خوب خوب دیا ہے۔علامہ مرحوم نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث مسند دارمی کی ہے اور دارمی کی حدیثوں کو صحیح کہنا صحیح نہیں۔اس بارے میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ کسی معتمد شخص نے مسند دارمی کی حدیثوں کو صحیح نہیں کہا ہے تو اس کی صحت کے بارے میں کسی غیر معتمد شخص کا بیان کیسے معتبر مانا جاسکتا ہے۔

۲۔علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ مسند دارمی میں مرسل معضل،منقطع،مقطوع حدیثیں بہت ہیں۔

۳۔اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن فضل سدوسی ابوالنعمان البصری ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ''تقریب''میں کہا ہے کہ اس کا لقب عارم تھا جو آخر عمر میں نسیان اور خلل دماغ کا شکار ہوگیا تھا۔اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی یہی ہے۔

اسی حدیث کے راوی سعید بن زید،عمر بن مالک النکری اور ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ وغیرہ کے بارے میں بھی اسی قسم کی رائیں اجلہ محدثین نے دی ہیں۔

۴۔یہ حدیث موقوف ہے لہٰذا محققین کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

۵۔یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ٹکرا رہی ہے جسے محمد بن اسحاق نے اپنی مغازی میں خالد بن دینار عن ابی العالیہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ۔

''جب ہم نے ''تستر''فتح کیا تو ہرمزان کے خزانے میں،ہمیں ایک چارپائی ملی،جس پر ایک لاش تھی،اور لاش کے سرہانے ایک مصحف رکھا تھا۔ہم نے مصحف اٹھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور اس نسخے کو عربی میں لکھوایا۔ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلا شخص میں تھا جس نے اس مصحف کو بالکل قرآن کی طرح پڑھ دیا۔ابوالعالیہ سے پوچھا گیا کہ اس مصحف میں کیا تھا تو کہا تمہاری سیرت،تمہارے حالات،تمہاری بات چیت اور پیشین گوئیاں۔میں نے پوچھا اس لاش کو کیا کیا؟ کہا ہم نے دن میں تیرہ جدا جدا قبریں کھودیں اور رات میں ایک قبر کے اندر لاش کو دفن کردیا اور تمام قبروں کو ایک جیسی بنادیا تاکہ لوگ پہچان نہ سکیں اور لاش کو کھودنے کا خطرہ ختم ہوجائے۔

میں نے پوچھا: لوگ اس لاش سے کیا چاہتے تھے؟ کہا جب بارش رک جاتی تو لوگ اس چارپائی کو باہر نکالتے اور بارش ہوا کرتی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کس کی لاش تھی؟ کہا دانیال علیہ السلام کی۔ میں نے پوچھا کتنے دن سے ان کو مرا ہوا پایا۔؟ کہا تین سو سال سے۔ میں نے پوچھا' پھر لاش کچھ بدلی نہیں؟ کہا صرف گدی کے چند بال خراب ہوئے تھے۔ کیونکہ انبیاء کرام کے گوشت کو نہ زمین کھاتی نہ درندے۔''

اس پورے قصے پر غور کیجئے کہ اصحاب کرام نے اس لاش کو کس طرح عوام کی نگاہ سے بچا کر دفن کر دیا تا کہ لوگ فتنے کا شکار نہ ہوں۔ انتھی۔

آپ نے اس تفصیل سے ملاحظہ کر لیا کہ یہ حدیث سند اور متن ہر اعتبار سے نا قابل حجت و دلیل ہے۔ اس سے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا دعویٰ کرنا کتنا غلط اور بے محل ہے۔ بلکہ الٹے اس سے ان کے دعوی کا باطل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

❁❁❁❁

حدیث توسُّل الاعرابی

۱۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دینے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا' اور کہا: یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا' آپؐ نے اللہ سے سنا اور قبول کیا' ہم نے آپؐ سے سنا اور قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کلام آپؐ پر نازل فرمایا اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:٦٤)

ترجمہ: ''اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے' اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''

اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں قبر سے آواز آئی ''اللہ نے تم کو بخش دیا۔''

اس حدیث کا غیر یقینی ہونا تو خود اس کے متن سے ظاہر ہے' سند کی بحث تو چھوڑ یئے اور اس میں بعض ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کے موضوع ہونے میں کسی مسلمان کو بھی شک نہ ہوگا مثلاً:

(۱) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کئے گئے' اور جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ دیہاتی آیا اور اس نے قبر پر وہ مذکورہ حرکتیں کیں تو سوچئے کہ اس نے حجرہ میں داخلہ کی اجازت کب لی؟ اجازت کا ذکر تو اس حدیث میں ہے نہیں۔ اگر فرض کر لیجئے کہ اس نے اجازت لے لی تب بھی عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں وہ قبر پر گر پڑتا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکتا اور حضرت سیّدہ اسے نہ روکتیں۔

(۲) یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے ایک دیہاتی کا قصہ بیان فرمایا۔ معلوم نہیں خود دیکھا یا کسی سے سن کر بیان کیا۔ اگر کسی سے سن کر بیان کیا تو اس شخص کا نام روایتوں میں ملنا چاہئے' جس کا کوئی ذکر نہیں' گر خود دیکھ کر بیان کیا تو عقل باور نہیں کرتی کہ آپ نے ایسا غیر شرعی عمل اپنی آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کی روک ٹوک نہ کی ہو' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ **نیز اسی سند میں ابوصادق کا نام آتا ہے' جب کہ ابوصادق کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی**

نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں دیہاتی کا یہ بیان کہ: اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا ہم نے سنا۔ آپ نے اللہ کی طرف سے یاد کیا ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا۔'' جس سے ظاہر ہورہا ہے کہ دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے۔ آپ سے سننے اور سمجھنے والا شخص سمجھدار اور صاحب بصیرت ہوگا۔ لہٰذا جس صحابی کی یہ شان ہو کہ وہ بالبصیرت اور دانا ہو وہ اس جاہلی حرکت کا مرتکب ہوگا کہ قبر پر لیٹنے لگے اور قبر کی مٹی اپنے سر پر اڑانے لگے؛ جس فعل سے کہ آپ نے صراحت کے ساتھ منع فرمایا۔

دیہاتی نے قرآن کی یہ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْآ ۔ کی تلاوت کی؛ جس سے استدلال اس موقع پر بالکل بے محل ہے، کیونکہ اس آیت کا تعلق آپ کی زندگی سے تھا نہ کی آپ کی وفات کے بعد سے۔ جب تک آپ حیات تھے آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ جس کے لئے دعا فرمادیتے قبول ہوجاتی تھی۔ لیکن وفات کے بعد دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا سب محال ہے؛ کیونکہ موت کی وجہ سے آپ کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب آپ قیامت تک اپنی قبر میں آرام فرما ہیں اور آپ پر موت کے سارے احکامات نافذ ہیں۔ اب آپ کی نہ زبان ہل سکتی ہے نہ جسم؛ اور قیامت تک عمل وحرکت سے مجبور وبے خبر ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

اِذَ مَاتَ اِبْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلاثٍ ، صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أوَ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أوَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ ○

ترجمہ: ''جب انسان مرچکا تو تین راستوں کے علاوہ اس کے باقی تمام اعمال منقطع ہوگئے، صدقہ جاریہ؛ یا نفع دینے والا علم ، یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔''

رہی حیات برزخی تو یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اس کا دنیا کی زندگی سے کچھ تعلق نہیں؛ بلکہ وہ ایک مستقل زندگی ہے جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں، لیکن ہم اس پر دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور مردوں اور زندوں کے درمیان برزخ ایک حد فاصل ہے؛ ایک حجاب اور روک ہے؛ جس کی بنا پر دونوں کا اتصال خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی ؛ کسی طرح کا بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرزَخٌ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ (المومنون)

ترجمہ: ''اور ان کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اس دن تک رہیں گے جب تک کہ دوبارہ اٹھائے جائیں۔''

برزخ اس کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور دونوں کو ملنے سے روکے رکھے۔

اس کے علاوہ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ○ (النحل)

ترجمہ: ''بے شک آپ مردوں کو بات نہیں سنا سکتے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (فاطر)

ترجمہ: ''اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔''

اور جب اللہ نے آپ کو وفات دے دی تو آپ بھی مُردوں میں شامل ہو گئے۔ لہٰذا آپ بھی دنیا والوں میں سے کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ اگرچہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کا جسم اطہر خاک میں مل کر خاک نہیں ہوتا' لیکن ان کا جسم مردہ اور بلا روح ہوتا ہے۔ جسم کا فنا نہ ہونا اور بات ہے' لیکن موت حقیقی کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور میت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زندوں کی آواز سن سکے اور جب سننا ممکن نہیں تو جواب دینا بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا آپ جب استغفار کی درخواست سن نہیں سکتے تو استغفار کیسے کر سکتے ہیں؟

اس تفصیل سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اعرابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کی درخواست کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔

آخر کیا حرج تھا اگر وہ خود اللہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اپنے گناہوں سے تائب ہوتا اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوتا؟ یا زندہ لوگوں میں سے کسی صالح بزرگ کو منتخب کرتا اور ان سے درخواست کرتا کہ وہ اس کے لئے دعا فرمائیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا استسقاء کی درخواست کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر پر یا کہیں سے آپ کو دعا استسقاء کے لئے نہیں پکارا' اگر یہ فعل جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہرگز دعا کیلئے نہ کہتے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا محض اس لئے نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے وفات پا چکے ہیں اور اب پکارے جانے کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی آپ دعا وغیرہ کر سکتے ہیں۔

پھر اس آیت کا اس واقعہ سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ یہ آیت تو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں کو اتباع رسول سے روکتے تھے' اور طاغوت کو حکم بناتے تھے اور جب کسی معاملے میں مجبور پڑ جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور قسم کھا کر معذرت کرتے تھے کہ ہم دوسروں کے پاس محض ان کی دلجوئی کے لئے گئے تھے ورنہ ہمارا ان پر ایمان واعتقاد نہیں۔ لہٰذا یہ منافقین جب آپ کی مجلس میں آ کر اللہ سے استغفار کرتے اور آپ سے بھی استغفار کی درخواست کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا۔ ان کی اسی عادت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ اگر یہ منافقین آتے اور استغفار کرتے تو اللہ کو تواب ورحیم پاتے۔ لیکن یہ بدنصیب آئے ہی نہیں' نہ ہی استغفار کیا نہ رسول نے ان کے لئے استغفار کیا۔

لہٰذا اعرابی کے واقعہ سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ واقعہ محض گمراہی اور فساد کے لئے خاص طور پر گڑھا گیا ہے۔لیکن اللہ کے واضح ارشادات کے ہوتے ہوئے ان موضوع احادیث کا اثر دین پر کچھ نہیں پڑتا۔

۵۔ اس حدیث کا یہ ٹکڑا کہ ''فنودی من القبر انه غفرانک ''(قبر سے آواز دی گئی کہ اللہ نے تم کو بخش دیا) اس ذہن کی ترجمانی کررہا ہے جو ہر قسم کے وسیلہ کو حق اور مشروع سمجھتا ہے' چاہے اس سے دین کی بنیاد ہی کیوں نہ ہل جاتی ہو۔

دین سے ناواقف سیدھے سادھے عوام جب اس واقعہ کو سنیں گے تو انہیں اپنی مغفرت کے لئے یہ آسان نسخہ معلوم ہوگا اور اس دیہاتی کی طرح وہ بھی اس کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے' جیسا کہ آج عملاً اس کا رواج ہو چکا ہے۔ ناخواندہ تو کیا بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس جہالت وضلالت کا شکار ہیں۔ فالعیاذ باللہ

اس آخری ٹکڑے سے لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بات کرنے والوں کی باتوں کو سنتے ہیں اوران کا جواب بھی دیتے ہیں اور آپ کا جواب قبر سے سنا بھی جاتا ہے۔

اس واقعہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو قرآن مجید کا یہ دعوی غلط ثابت ہوتا ہے کہ ''مردے نہ سنتے نہ جواب دیتے ہیں۔'' اس واقعہ میں اللہ پر زبردستی قسم کھائی گئی ہے کہ اس نے فلاں کو بخش دیا' جب کہ یہ ایک غیبی امر ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ ''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔'' كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' آپ سے پہلے بھی رسول ہوگذرے ہیں۔'' نیز فرمایا' ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَیِّتُوْنَ '' بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔''

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح انتقال کر گئے جس طرح آپ سے قبل دوسرے انبیاء کرام نے انتقال فرمایا۔ اور موت کی وجہ سے جس کا سلسلہ ختم ہو جائے اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی بشر تھے۔ لہٰذا مرنے کے بعد آپ نہ سن سکتے نہ بول سکتے اور نہ اب اس دنیا سے آپ کا کسی قسم کا تعلق قائم ہے۔ اگر دنیا سے آپ کا تعلق ممکن ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اور بعد والوں سے قائم ہوا ہوتا' کیونکہ آپ کے بعد جو حادثات رونما ہوئے اس کے پیش نظر آپ سے تعلق قائم کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس تعلق کا تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں ملتا کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ یقینی طور پر جانتے تھے کہ آپ وفات پا کر ہم سے بالکل بے تعلق ہو چکے ہیں اور قیامت تک دنیا میں آپ سے ربط وتعلق ممکن نہیں۔ اس صورت میں دیہاتی کا یہ عمل ناقابل فہم ہے۔

قرآن نے تو صاف واضح کر دیا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ اور وہ دوسری دنیا میں جہاں اس دنیا کا کوئی ربط نہیں۔ ارشاد ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اور قبر بھی ایک برزخ ہے جس کے حالات سے ہم بے خبر ہیں' وہاں سے

اس دنیا کا کوئی ربط نہیں، لہٰذا اس اعرابی کو کس طرح قبر سے جواب مل گیا اور اس کو مغفرت کی بشارت ہوگئی، عقل سے بعید اور حقیقت کے خلاف ہے۔

اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ یہ سارا قصہ من گھڑت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کرنے والوں کو بھی خوف کھانا چاہئے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کریں گے ان کا مقام جہنم ہوگا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

اس حدیث کی سند پر بحث:

''الصارم المنکی'' میں ہے یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ یہ گھڑی ہوئی بناوٹی خبر ہے، اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ اس کی سند پر تاریکی کی تہہ بہ تہہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے راوی ھیثم بن عدی کی بابت یحییٰ بن منیر کا کہنا ہے کہ ہیثم بن عدی کوفی کذاب تھا۔ ابوداؤد نے بھی کہا وہ کذاب ہے، ابوحاتم رازی، نسائی اور ازدی کا کہنا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ھیثم کی لونڈی کا بیان ہے کہ میرا مالک رات بھر تو نماز پڑھتا تھا اور دن کو مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ بولتا تھا۔

اس حدیث کے متن سند، تعلیق و تحقیق اور مفہوم سب کا جائزہ آپ نے لے لیا۔ آپ پر واضح ہو چکا کہ یہ ہر اعتبار سے نا قابل حجت ہے۔

اس سلسلے کی دوسری روایات کا جائزہ بھی لے لیں، تا کہ سب کی حقیقت واضح ہو جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁

حدیث العتبیٰ

دوسری روایت حدیث ''العتبیٰ'' کے نام سے مشہور ہے جو ابو منصور الصباغ کی کتاب ''الشامل'' میں بلا سند بیان کی گئی ہے جس کا متن یہ ہے۔

کنت جالسا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء اعرابی فقال السلام علیک یارسول اللہ سمعت اللہ یقول (ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما) وقد جئتک مستغفرًا لذ نبی مستشفعًا بک الیٰ ربی ثم انشأ یقول ○

ترجمہ: ''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور کہا ''السلام علیک یارسول اللہ'' میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جب اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے تو آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے'' اور اب میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے آیا ہوں' آپ کے ذریعہ اپنے رب سے شفاعت کا طالب ہوں۔ پھر وہ یہ اشعار پڑھنے لگا۔''

یا خیر من دفنت فی القاع اعظمہ. فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ .فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

اے بہترین شخص جس کی ہڈیاں اس مسطح پہاڑی میں دفن کی گئیں جن کی خوشبو سے پہاڑیاں اور ٹیلے معطر ہوگئے
میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ بسے ہوئے ہیں اسی قبر میں پاکدامنی اور جود وکرم بھی بسے ہوئے ہیں

پہلی اور دوسری روایت میں معمولی سا فرق ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ڈال دیا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا۔''

دوسری روایت میں (عتبی کی روایت) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا۔

(۱) ذرا غور فرمایئے کہ یہ عتبی جو خود کو واقعہ کا شاہد بتا رہا ہے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پاتا ہے' اس صورت میں کیا ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تیسرے دن اس واقعہ کے وقت موجود رہا ہو؟ فرض کرلو اس کی کل عمر سو سال رہی ہو' پھر بھی اس زندگی اور اس واقعہ کے درمیان ایک سو بیس سال کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس روایت کی صحت کے بارے میں آپ کیا

کہہ سکتے ہیں؟

(۲) دونوں ہی روایتوں میں آیت ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' کا ذکر آتا ہے کہ اعرابی نے اس آیت کو قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا۔ جب کہ ہم پچھلے صفحات میں تفصیل سے یہ بتا چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کا حیات نبوی سے تعلق ہے' وفات کے بعد اس سے استدلال بے محل ہے' اور مخلوقات کے ذات کے وسیلے کا اس سے جواز تلاش کرنا بالکل ہی بے موقع اور غلط ہے۔ یہ آیت تو دراصل چند منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی' نہ کہ مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے لئے۔

(۳) دونوں روایتوں میں لفظی اختلاف بھی ہے۔ العتبیؒ کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ دیہاتی نے خود کو قبر نبوی ﷺ پر ڈال دیا تھا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا جب کہ پہلی روایت میں یہ تفصیل موجود ہے یہ لفظی اختلاف اور دونوں روایتوں کا اضطراب خود اس کی دلیل ہے کہ روایت سخت مضطرب' مشکوک و غیر صحیح اور نا قابل حجت و استدلال ہے۔

(۴) دونوں روایتوں کا مفہوم آیت ولو انهم اذ ظلموا انفسهم ۔ سے ٹکراتا ہے' کیونکہ ان دونوں ہی روایتوں میں دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے ''و جئتک مستغفرًا لذنبی''، جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آپ سے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست کر رہا ہے' جب کہ قرآن کہتا ہے کہ ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا الله''، یعنی اپنے اوپر ظلم کر جانے کے بعد ان منافقین کو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس آ کر اللہ سے بخشش چاہتے' نہ کہ آپ سے بخشش چاہتے۔ کیونکہ اللہ سے مغفرت مانگنا تو اللہ کی بندگی ہے اور یہ بندگی کسی مخلوق کے لئے جائز نہیں' صرف اللہ کے لئے کرنی جائز ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کی معافی مانگنا تو صاف شرک ہے۔ لہٰذا یہ روایت قرآن کی آیت سے صاف طور پر ٹکراتی ہے' جو اس کے غلط اور من گھڑت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آیت قرآنی کا تو سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ یہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے اور اللہ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے۔ لیکن یہ تو اس آیت میں کہیں نہیں کہ یہ لوگ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کرتے' جیسا کہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے۔

(۵) العتبیؒ کی روایت میں یہ ٹکڑا مزید ہے ''مستشفعًا بک الی ربی''، یعنی دیہاتی کہتا ہے کہ یا رسول اللہ' میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کر دیں۔ یہ ایک ایسی درخواست ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ممکن العمل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وفات پا جانے کے سبب آپ کا عمل منقطع ہو گیا' لہٰذا آپ شفاعت فرما ہی نہیں سکتے تھے اور آپ سے یہ سوال کرنا ہی غلط تھا۔ نیز شفاعت کے لئے اللہ کی اجازت ضروری ہے اور یہ اجازت قیامت کے دن کے لئے خاص ہے اور اس دن بھی اللہ صرف ان کے لئے اجازت دے گا جن سے وہ راضی ہوگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو سب سے زیادہ اہم و نازک وقت آپ کی ملاقات

کا وہ تھا جب آپ کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سخت خونریز جنگ چھڑ گئی تھی جس کے سبب ہزاروں صحابہؓ شہید ہوئے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ حق کس فریق کے ساتھ ہے؟ یہ کتنے تعجب کی بات ہوگی کہ اپنی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی سے تو کلام فرمائیں، لیکن جب آپ کی امت پر اختلاف وخونریزی کا سیلاب امڈ پڑا ہو اس وقت خاموش رہ جائیں۔

کیا یہ باتیں اس امر کی واضح علامت نہیں ہیں کہ سرے سے یہ سارا قصہ ہی غلط اور من گھڑت ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سند حدیث پر بحث:

یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے بھی نا قابل اعتماد وحجت ہے، کیونکہ اس روایت کا اصل راوی العتبی جو اس قصہ کو دیہاتی سے روایت کرتا ہے، اس دیہاتی اور عتبی کے درمیان دوسو برس کا فاصلہ ہے۔ دیہاتی کا یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تیسرے دن بعد کا ہے اور عتبی کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوتی ہے۔ راوی اور صاحب واقعہ کے درمیان دوصدیوں کا فاصلہ ہے۔ کون عقل اس کو باور کرسکتی ہے کہ راوی اور صاحب واقعہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوگا؟ العتبی کے حالات اور سنہ وفات کو تمام مشہور مورخین نے بصراحت لکھا ہے۔

شفاعت کے بارے میں یہ ایسی بنیادی باتیں ہیں جو ہر مومن کے عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں اور تمام مسلمانوں کو اس کو علم بھی ہے، اور شاید ہی کوئی مسلمان اس سے ناواقف ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی ایسی بنیادی غلطی اور کھلی جہالت کا ارتکاب کرے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور وہ بھی کوئی مجہول اور غیر معروف شخص نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے معروف ومخصوص صحابی سے اس کا صدور تعجب خیز ہی نہیں ناممکن بھی ہے ایسی صورت میں ہر صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پورا واقعہ ہی سرے سے غلط اور من گھڑت ہے۔

(۶) پہلی اور دوسری روایتوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبر سے جواب دیا کہ اللہ نے تم کو بخش دیا'' اور دوسری روایت میں ہے کہ۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبی کو خواب میں نظر آئے اور عتبی سے کہا کہ اعرابی سے مل کر کہو کہ اللہ نے اس کو بخش دیا۔''

غور فرمایئے کہ جب پہلی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو بشارت خود بہ نفس نفیس دے دی تھی تو پھر دوسری روایت کے مطابق اسی کام کیلئے عتبی کو پابند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دونوں روایتوں کا یہ لاحاصل تکرار وتضاد خود اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس حدیث کا گڑھنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد بھی اپنی امت سے ملنا ممکن ہے حالانکہ یہ محال وناممکن ہے۔ ❁❁❁

تیسری روایت

یہ روایت عتبی سے بھی نہیں بلکہ محمد بن حرب الہلالی، عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے اور کبھی محمد بن حرب الہلالی عن ابی محمد الحسن الزعفرانی عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے ۔اور الزعفرانی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ اجلہ اصحاب میں سے ہیں جن کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی ہے لہٰذا جو واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تیسرے دن بعد کا ہے اس کی روایت وہ شخص کیسے کرسکتا ہے جو ڈھائی سو سال بعد کا ہے۔غور کیجئے کہ اس قصہ کو کبھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت کیا جاتا ہے اور کبھی العتبی کی روایت سے، اور کبھی محمد بن حرب الہلالی کی روایت سے، اور کبھی حسن الزعفرانی سے روایت کیا جاتا ہے ۔راویوں کا یہ اختلاف، اور راوی اور مروی عنہ کے زمانوں کا تفاوت، یہ سب باتیں اس روایت کے اضطراب اور وضع وکذب کی واضح علامات ہیں ۔

ابن عبدالھادیؒ نے اس روایت کی بابت لکھا ہے کہ ''اس روایت کو بعض نے عتبی سے بلاسند روایت کیا ہے، بعض نے محمد بن حرب الہلالی عن الاعرابی سے روایت کی روایت سے بعض نے محمد بن حرب عن الحسن الزعفرانی عن الاعرابی کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں مجہول سند عن روح بن محمد بن یزید البصری حدثنی ابوحرب الہلالی سے روایت کی ہے۔اور بعض کذاب راویوں نے اس کو علی بن ابی طالب کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

الغرض دیہاتی کا یہ قصہ اس قابل نہیں کہ اس کو دلیل بنایا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے

پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ دیہاتی کون ہے جس کا نہ نام مذکور نہ دیگر کوئی تفصیل ۔لہٰذا ایسے مجہول اعرابی کی حکایت پر عمل وعقیدہ کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی ۔یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اعرابی صحابی تھا یا نہیں؟ لیکن کسی صحابی اعرابی کا کوئی ایسا فعل احادیث وتاریخ میں مذکور نہیں فرض کرلو یہ واقعہ صحیح تھا تو بھی اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ کہاں ثابت ہوتا ہے؟ یہ دیہاتی تو محض اس وہم میں قبر پر گیا کہ ممکن ہے آپ (معاذ اللہ) وفات کے بعد بھی شفاعت فرماتے ہوں ۔حالانکہ شفاعت کا صحیح وقت تو قیامت کے دن کا ہے اور اللہ کی اجازت ومرضی کے ساتھ مشروط ہے ۔چنانچہ بعض روایات میں اعرابی کے پڑھے ہوئے دونوں اشعار کے علاوہ ایک تیسرا شعر بھی موجود ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اعرابی کو یہ یقین وعلم حاصل تھا کہ شفاعت کا صحیح وقت قیامت کا دن ہے چنانچہ اس کا تیسرا شعر یہ ہے۔

انت النبی الذی ترجی شفاعتہ عند الصراط اذا ما زلت القدم

آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے پل صراط سے گذرتے وقت جب قدم ڈگمگا جائیں

یہ شعر بتا رہا ہے کہ اعرابی کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ شفاعت کا وقت قیامت کا دن ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں آپ سے شفاعت کا طالب کیوں کر ہو رہا ہے؟ یہ تناقض اور اختلاف اس روایت کے اضطراب کی پوری دلیل ہے اور صاف واضح ہے کہ اعرابی کا یہ قصہ ہی دراصل موضوع اور طبع زاد ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ہی غلط ہے۔ یہ محض ان لوگوں کے وہم و تخیل کی پیداوار ہے جنہوں نے مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے ثبوت میں اس کو گڑھا اور وضع کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کذب و افتراء کے ان بیوپاریوں کو قرار واقعی سزا دے اور امت مسلمہ کو ان کی ضلالتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

❀❀❀❀

عتق کی روایت

''الدرر المنظم'' کی روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

اللّٰھم ان ھذا حبیبک وانا عبدک والشیطٰن عدوّک فان غفرت لی سر حبیبک وفاز عبدک وغضب عدوّک وان لم تغفرلی غضب حبیبک ورضی عدوّک وھلک عبدک وانت یارب اکرم من ان تغضب حبیبک وترضی عدوّک وتھلک عبدک ○

ترجمہ: ''اے اللہ یہ تیرے حبیب ہیں' اور میں تیری بندہ ہوں' اور شیطان تیرا دشمن ہے' اگر تو نے مجھ کو معاف کر دیا تو تیرا حبیب خوش ہوگا۔ اور تیرا بندہ کامیاب ہوگا' اور تیرا دشمن غضبناک ہوگا۔ اور اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہوگا' اور تیرا دشمن خوش ہوگا' اور تیرا بندہ تباہ ہوگا اور اے میرے رب تو اس بات سے بلند و کریم ہے کہ تیرا حبیب غصہ ہو' اور تیرا دشمن خوش ہو اور تیرا بندہ تباہ ہو۔''

اللّٰھم ان العرب اذا مات فیھم سید اعتقوا علی قبرہ وان ھذا سید العالمین فاعتقنی علیٰ قبرہ یا ارحم الرحمین ○

ترجمہ ''اے اللہ عربوں میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر وہ غلام آزاد کرتے تھے' اور یہ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ تو مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے یا ارحم الراحمین۔''

دیہاتی کی یہ دعا سن کر حاضرین میں سے کسی نے کہا'' اے عرب بھائی! اللہ نے تیرے حسن سوال کے سبب تجھ کو بخش دیا۔''

توضیح:

اس روایت کے اندر جو مکر و فریب چھپا ہوا ہے وہ ایک اشارہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس روایت کا ہر جملہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ کتنی ہوشیاری اور عیاری سے گڑھا اور سجایا گیا ہے۔ معلوم نہیں کتنے سادہ لوح عوام اس قسم کی روایات سے گمراہی اور فساد عقیدہ کا شکار ہوئے ہوں گے۔ آیئے ذرا اس روایت کا بھی تحقیقی جائزہ لیں' تا کہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آ جائے۔

۱۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ کس زمانے کا ہے؟ اور یہ دیہاتی کون تھا صحابی یا تابعی یا کچھ اور؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ اور وہ کون تھا جس نے دیہاتی کے سوال کی تعریف کی' اور اللہ کی طرف سے دعوی کرتے ہوئے دیہاتی کو مغفرت کی

بشارت دی؟

۲۔اس دیہاتی کا سوال اور حاضرین میں سے کسی کا جواب اور مغفرت کی بشارت' کیا اس میں سے کسی کی بھی کتاب وسُنّت سے تائید ہوتی ہے؟ یہ دونوں سوالات اس روایت پر غور کرنے سے پہلے ہر طالب حق کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں' اور یہی دونوں سوالات دراصل اگلی بحث کے لئے تمہید بنتے ہیں۔

یہ روایت اور اس کے اندر مذکور اشخاص یعنی دیہاتی اور جواب و بشارت دینے والا شخص سب کے سب نامعلوم مجہول ہیں جن کا وجود صرف ان لوگوں کے دماغ میں ہے جنہوں نے یہ روایت گڑھی ہے' تا کہ لوگ اس دھوکہ میں آ جائیں کہ محبت رسول کے اظہار کا یہی آسان طریقہ ہے' اور دیہاتی کے ان کلمات کو دہرانے سے مغفرت کی بشارت ہوتی ہے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کی کھوج میں پڑنے کے بجائے ہمیں یہ چاہئے کہ اصل روایت پر غور کریں' تا کہ اس روایت کے کذب وضلال کی حقیقت اچھی طرح کھل جائے۔ ذرا غور فرمائیے!

(۱) دیہاتی دعا کرتا ہے (وان لم تغفرلی غضب حبیبک) ''اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہو جائے گا۔'' حبیب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہ دیہاتی کہہ رہا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرے حبیب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ناراض ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ) اللہ کا رسول اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہو جائے؟ کیا اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا صریح کفر نہیں ہے؟ سوچو! کہ جاہلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتنی رکیک اور جاہلانہ بات کہی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقام تھا اور یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اللہ کے فیصلوں پر آپ ناراض ہوا کریں؟ اور معاذ اللہ' اللہ کے خلاف اپنے غیض وغضب کا اظہار فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی شان میں یہ فرمایا ہے۔ ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ '' (بے شک آپ بڑے بلند اخلاق پر فائز ہیں)

مسلمانو سوچو! ان جاہلوں نے قرآن کو بھی جھٹلا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہ بات کہہ دی جس سے اللہ اور اس کی کتاب بری اور بیزار ہے۔

(۲) فرض کرلو اللہ نے اس دیہاتی کو نہ بخشنے کا فیصلہ فرما لیا اور اب یہ دیہاتی اللہ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب تجھ پر ناراض ہو جائے گا' تو کیا ایسی صورت میں (معاذ اللہ) دیہاتی کی دھمکی سن کر اللہ اپنے فیصلہ کو فوراً بدل دے گا؟ کیا اللہ کی یہی شان ہے؟ اور کیا اللہ پر بھی کوئی اثر انداز ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس کا ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمۡرِهٖ (اللہ اپنے حکم پر غالب ہے) وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيهِ (اور اللہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی پر سر تسلیم خم کر دیا، اور اپنے والدین کے بارے میں برأت ظاہر کر دی۔ کیونکہ اللہ کا ہر فیصلہ عدل وحکمت پر قائم ہے۔ اللہ کے بارے میں ظلم ونا انصافی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کی عدم مغفرت پر خوش رہیں، لیکن ایک دیہاتی کی مغفرت نہ ہونے پر اللہ سے ناراض ہو جائیں۔(سبحانك هذا بهتان عظيم)

(۴) دیہاتی کا یہ جملہ "(انت یارب اکرم من ان تغضب حبیبک) دراصل اللہ کو انصاف اور عادلانہ فیصلہ سے ہٹانا ہے۔ ظاہر ہے کہ دیہاتی کو نہ بخشنا دراصل اس کی کسی غلطی یا جرم کی بنا پر ہی ہوا۔ اب دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی دھمکی دے کر اللہ کو عادلانہ فیصلہ کرنے سے روک کر ناانصافی کرنے پر مجبور کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ محض اپنے حبیب کے غضب کے خوف سے ناانصافی کرنے پر مجبور ہے۔(نعوذ باللہ)

ظلم و ناانصافی بجائے خود ایک مذموم فعل ہے، کسی معمولی آدمی کیلئے بھی زیبا نہیں۔ لیکن ذرا سوچئے کہ اس روایت کے گڑھنے والوں نے اس مذموم حرکت کو اللہ کے ساتھ منسوب کر دیا۔ وہ اللہ جو ہر عیب سے پاک ہے اور تمام صفات کمالیہ اور سماء حسنیٰ کا مالک ہے۔ جس کی شان ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی کے ساتھ بیچ اونچ کو روا نہیں رکھتا۔ اس نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، اس کی شان میں ایسے کلمات کفر اور جرم عظیم نہیں تو اور کیا ہیں؟

(۵) دیہاتی کہتا ہے۔ ان العرب اذا مات فيهم سيد اعتقوا على قبره وان هذا سيد العالمين فاعتقني على قبره يا ارحم الرحمين ○ ترجمہ "اے اللہ عربوں میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر وہ غلام آزاد کرتے تھے، اور یہ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ تو مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے یا ارحم الراحمین۔"

یہ جملے اللہ کی شان میں کتنے رکیک اور توہین آمیز ہیں۔ دیہاتی، اللہ کو سبق پڑھا رہا ہے کہ وہ اس دیہاتی کے کہنے پر عربوں کی رسم اختیار کرے۔ گویا معاذ اللہ دیہاتی معلم و مرشد بن گیا ہے اور اللہ کو اس نے اپنا شاگرد اور مقتدی بنا دیا ہے اور اللہ کو عربوں کی عادت سمجھا کر اس پر عمل کرنے کی نصیحت کر رہا ہے۔(اس شیطانی بکواس سے اللہ کی پناہ) کس بندۂ اللہ کے اندر اتنی ہمت ہے کہ وہ اس جہالت و اہانت کو برداشت کرے۔ فنعوذ بالله من الكفر وسوء الخاتمة۔

(۶) عرب اپنے سردار کی قبر پر غلاموں کو محض اس لئے آزاد کرتے تھے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ کا قرب اور اس کی رضا چاہتے تھے۔ لیکن یہ دیہاتی اللہ سے اپنی آزادی مانگ کر اللہ کی طرف سے کس کے لئے قربانی اور نذر پیش کرا رہا ہے؟ کیا نعوذ باللہ اللہ کو بھی بندوں کی طرح اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنا مطلب پورا کرانے کے لئے کسی کو نذر و قربانی پیش کرے؟ حالانکہ اللہ تو سارے جہاں سے غنی اور بے نیاز ہے۔ بھلا اس کو کیا حاجت کہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کے لئے نذر و قربانی پیش کرے۔

(۷) دیہاتی کا یہ سوال بے ادبی اور اہانت کا مظہر بھی ہے، وہ اللہ کے سامنے اللہ کے رسول کی عظمت بیان کر کے شان الٰہی کو گھٹا رہا ہے۔ اس کے سوال کے ہر جملہ میں گمراہی، خرافات، بکواس ہے اور ان سے کفر و زندقہ کا کھلا اظہار ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو نمونہ بنانا تو درکنار اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا چاہئے۔

پچھلی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اعرابی کا یہ سوال کتاب وسُنّت کی تعلیمات سے یکسر منحرف اور متضاد ہے۔لہٰذا ایسے لغو سوال کو دلیل وحجت کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

اس روایت کے گڑھنے والوں نے کمال ہوشیاری سے ان کی تصدیق وتحسین کیلئے ایک گواہ بھی گڑھ لیا جس نے گواہی دی کہ دیہاتی کی یہ دعا بہت اچھی ہے اور محض اچھی ہونے کی وجہ سے دیہاتی کی مغفرت ہوئی ہے۔

ذرا سوچیئے کہ آخر یہ گواہ کون تھا؟ اور اس کو کہاں سے یہ خبر مل گئی کہ اللہ نے دیہاتی کو بخش دیا؟ اور دیہاتی کی اس دعا پر تحسین وصداقت کا سٹیفکیٹ دینے کا اس کو کہاں سے حق ملا؟ کیا اس پر وحی نازل ہوگئی تھی؟ یا اس نے یونہی ڈینگ ماردی؟ مغفرت کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر اس شاہد نے دیہاتی کے اس سوال کو بہترین سوال قرار دیا آخر اس میں کون سا حسن ہے؟ جب کہ پورا سوال ہی بے ادبی خرافات زندقہ وضلالت اور کفر واڈعا سے بھرا ہوا ہے۔

ایسے لغو قصے کو مخلوقات کے وسیلہ کے جواز میں کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے۔اس کا تو ذکر کرنا بھی گناہ ہے' چہ جائیکہ اس کو دلیل بنایا جائے۔

روایت کی سند پر بحث:

اس روایت کی سند پر کوئی بحث ہی نہیں کی جاسکتی کیونکہ سرے سے اس کی کوئی سند ہی نہیں' نہ اس کا کوئی اتہ پتہ ہے' نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر موجود ہے۔متن کے کذب ودروغ اور وضع ایجاد کے علاوہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت بھی نہیں' اس کی بابت اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ جہلاء کی ہانک اور احمقوں کی بڑ کے سوا اس کی کچھ حیثیت نہیں۔

❁❁❁❁

دیہاتی کے اشعار

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارش کی دعا کے لئے حاضر ہوا' اور اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے پہلا شعر یہ تھا۔

اتیناک والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے' اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' اور لوگ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں

ان اشعار پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا' بلکہ حضرت انس کا بیان ہے کہ جب دیہاتی نے یہ اشعار پڑھے تو آپ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا' اور لوگوں کے لئے بارش کی دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بارش ہونے لگی۔

متن حدیث پر بحث:

افسوس ہے کہ کچھ لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بیجا تاویلات کرتے ہیں' چاہے الفاظ کے معنیٰ اور مفہوم لغت اور محاورے کے اعتبار سے ان کا ساتھ دیں یا نہ دیں مگر وہ اپنے مزعومات کو ثابت کرنے میں اتنے حریص اور اندھے ہوتے ہیں کہ لغت اور محاورہ سب کی پرواہ کئے بغیر لاطائل اور غلط مفہوم کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اس پروپیگنڈہ اور ذاتی تاویلات سے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور اہل علم و تحقیق ان کی غلط تاویلات سے کبھی فریب نہیں کھاتے۔

۱۔ مثلاً اسی حدیث میں لفظ ''یستسقی'' سے وہ سمجھ گئے کہ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے جاہ کے وسیلہ کا طالب تھا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اعرابی آپ سے محض بارش کی دعا کی درخواست کر رہا تھا۔ اگر اس کو آپ سے دعا کرانا مقصود نہ ہوتا' بلکہ وہ آپ کے جاہ وذات کے وسیلہ کا طالب ہوتا تو اس کو مدینہ طیبہ آ کر آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ وہ گھر ہی سے آپ کی ذات وجاہ کا وسیلہ لے کر دعا مانگ لیتا۔

لیکن مدینہ وہ محض اس لئے آیا کہ اسے آپ سے دعا کرانی تھی' جیسا کہ حدیث میں صاف وضاحت موجود ہے کہ آپ اس کی بات سن کر منبر پر تشریف لائے اور استسقاء کیلئے خطبہ دیا اور اللہ سے دعا مانگی۔ اگر دیہاتی آپ سے دعا کا طالب نہ ہوتا تو آپ اس کے

لئے دعا بھی نہ فرماتے۔

اسی طرح ان لوگوں نے اعرابی کے اشعار کو بھی اپنے لئے دلیل بنالیا اور خاص طور پر یہ شعر۔

و لیس لنا ا لا الیک فرارنا   وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور سمجھ لیا کہ مصائب اور حوادث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام سے استغاثہ کرنا اور ان کی طرف رخ کرنا جائز ہے۔ حالانکہ کلام عرب اور تمام اہل زبان اس غلط مفہوم کو رد کردیں گے' اور کوئی بھی اس سے یہ من گھڑت مفہوم نہیں سمجھے گا۔

اس شعر کا پس منظر اور سیدھا سادھا مطلب تو صرف یہ ہے کہ لوگ قحط اور خشک سالی برداشت کرتے کرتے اس حد تک مجبور و ناتواں ہو گئے تھے کہ بچے کی ماں اپنے بچے کو بھی بھول گئی۔ اور اب ہم مجبور ہو کر اے رسول اللہ آپ کی خدمت میں آئے ہیں کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے بارش کی دعا فرمادیں۔ آپ کی دعا ہماری دعا کی طرح نہیں۔ آپ تو رسول اللہ ہیں' مستجاب الدعوات ہیں' لہٰذا اپنی دعا کے ذریعہ اس قحط اور بھوک مری کو دور کرنے میں ہماری مدد فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور بارش سے لوگ سیراب ہوئے۔ اب اس پس منظر میں پہلے شعر پر غور فرمایئے کہ اعرابی اپنی شکایت اس طرح پیش کرتا ہے۔

اتیناک والعذراء یدمی لبانها   وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے' اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

و لیس لنا ا لا الیک فرارنا   وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' اور خلق اللہ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں؟''

یعنی آپ کی دعا کے سوا نزول باراں کے لئے کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ اس درخواست کو سن کر منبر پر تشریف لائے اور دعا فرمائی اور بارش ہوئی۔

اس تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان اشعار میں ذات رسول کے وسیلہ کا کوئی اشارہ تک نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بنا کر بارش مانگنا جائز ہوتا تو وہ دیہاتی گھر چھوڑ کر مدینہ کیوں آتا؟ اپنے گھر میں ہی بیٹھا بیٹھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلہ سے بارش طلب کر لیتا۔ لیکن ایسا کہاں ہوا؟

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کسی صالح شخص سے دعا کی درخواست کرنا اور ان کی دعا کو وسیلہ بنانا بلاشبہ جائز اور مسنون ہے' اور مومن کی دعا اپنے مومن بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے۔ جس کی تفصیل مشروع وسیلہ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

لیکن مخلوق کی ذات اور جاہ کا وسیلہ تو سراسر شرک ہے۔ اس کا تصور کسی عامی کے لئے تو کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ کسی صحابی کی بابت ایسا سوچا جائے۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

اس حدیث کا متن مذکورہ بالا مفہوم کے اعتبار سے تو بلا شبہ صحیح ہے' لغت عرب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم مبارک کے اعتبار سے بھی وسیلہ کا یہ مشروع مفہوم بالکل درست اور صحیح ہے۔ یعنی اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ چاہتا تھا' اور آپ نے اس کی درخواست پر دعا فرمادی اور بارش ہوگئی۔ اس کے سوا ذات رسول کے وسیلے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ جائز ہے' نہ اعرابی کے ذہن میں وہ بات تھی' نہ شرع میں اس کی گنجائش ہے۔

لیکن کسی کلام کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شہد بہت لذیذ اور مفید کھانا ہے۔'' کیونکہ یہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے تو صحیح ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر صحیح اور سچی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دینا غلط اور جھوٹ ہے۔

یہی حال زیر بحث روایت کا بھی ہے کہ اس کا مفہوم و معنیٰ صحیح ہونے کے باوجود یہ حدیث رسول نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ''مسلم الملائی'' سخت ضعیف' متروک اور غیر معتبر ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یحیی بن معین رحمۃ اللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ' نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اجلہ محدثین نے اس پر سخت کلام کیا ہے اور اس کی روایات کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

حدیث الاعرابی

صحیح بخاری میں ہے کہ ''جب اعرابی آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے اللہ سے دعا فرمائی اور آسمان سے بارش پھٹ پڑا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ہمیں ابوطالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا' [شاید آپ ابوطالب کے اس شعر کو سننا چاہتے ہیں۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للا رامل

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دمک اٹھا اور آپ نے اس شعر کے پڑھنے پر اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی'' **یستسقی الغمام بوجهه**'' پر کچھ نا گواری کا اظہار فرمایا۔اگر یہ حرام ہوتا تو آپ ضرور اعتراض فرماتے۔اور شعر پڑھنے کا مطالبہ نہ کرتے۔''

تشریح وجواب:

علامہ بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان'' میں لکھا ہے کہ دحلان نے اپنی کتاب 'الدرر السنیہ فی الرد علی الوھابیہ'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں موجود ہے' جب کہ یہ روایت بخاری میں سرے سے ہے ہی نہیں۔

البتہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا مویشی مر رہے ہیں' روزی کے ذرائع مسدود ہو رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی' اور جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔پھر وہی شخص آیا اور کہنے لگا' مکانات گر گئے راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے۔اللہ سے دعا فرمایئے کہ بارش رک جائے۔آپ نے فرمایا: اے اللہ' ٹیلوں' وادیوں اور جنگلوں کی طرف بارش کا رخ پھیر دے'' چنانچہ بارش بند ہو گئی اور آسمان صاف ہو گیا۔

بخاری میں یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ موجود ہے' لیکن اس میں کہیں بھی یہ جملہ نہیں ہے کہ اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔''

یہ ٹکڑا بخاری میں نہیں بلکہ بیہقی میں ہے جس کی سند میں ''مسلم الملائی'' ایک راوی متروک' غیر معتمد' وضاع اور کذاب ہے۔اس کی روایات مردود ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دحلان نے حدیث بخاری کو کتنی ہوشیاری سے بیہقی والی موضوع حدیث سے ملا کر بدل ڈالا تھا

۔تا کہ لوگ بخاری کے نام سے دھوکہ کھا جائیں۔

اس کے علاوہ دحلان کی اس روایت میں بے شمار معنوی اور لفظی فاحش غلطیاں ہیں جن کا صدور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن نہیں جو افصح العرب تھے اور جوامع الکلم کے ساتھ ممتاز تھے۔لہٰذا اس موضوع روایت کو عقیدہ وایمان جیسی محکم چیز کے لئے دلیل بنانا کسی طرح جائز ودرست نہیں ہوسکتا۔

❁❁❁❁

حدیث سواد بن قارب رضی اللہ عنہ

طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کیا ہے کہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس میں توسُّل کا ذکر ہے اور بقول دحلان آپ نے اس قصیدے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس قصیدہ کے چند اشعار یہ تھے۔

واشهــــد ان الله لا ربّ غيــــــره	وانک مــامــون علـٰـی کـل غــائـب
وانک ادنٰــی الـــمـــرسـلـيـن وسيـلة	الـــی الله يـــا ابــن الاکـــرمين الاطـــائـب
فــمـــرنــا بــمـــا يــاتيک يــا خير مــرسل	وان کـــان فيــمـــا فيـــه شيـب الـذوائـب
وکــن لـــی شــفيــعــا يـوم لا ذو شــفــاعة	بــمـــغــن فتيــلا عــن ســوادبــن قـــارب

متن حدیث پر بحث:

یہ چاروں اشعار جن سے شیخ دحلان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ لینے کے جواز پر بحث کی ہے' دراصل ان سے اس وسیلہ کا کوئی مفہوم ہی نہیں ثابت ہوتا جس کا دعویٰ دحلان کر رہے ہیں' اور خصوصا دوسرا شعر'' وانک ادنٰـی الـمـرسـلـين وسيلة''

اس لئے کہ اس شعر سے بھی اسی وسیلہ کا ثبوت ملتا ہے جس کا ہم نے کتاب کے بالکل شروع ہی میں ذکر کر دیا وسیلہ شرعی یہ ہے کہ عمل صالح کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال صالحہ تو تمام انبیاء کرام کے اعمال سے اعظم و برتر تھے۔ آپ کے اعمال حسنہ کا وسیلہ تو سب سے مؤثر و قریبی وسیلہ بارگاہ الٰہی میں سمجھا جائے گا۔ اگر آپ اپنے اعمال کا وسیلہ لے کر اللہ سے دعا فرما دیں تو بلا شبہ آپ کی دعا مقبول بارگاہ ہو گی۔

اور یہی وہ وسیلہ ہے جس کی بابت آپ نے اشارہ فرمایا کہ'' جب تم موذن سے اذان سنو تو موذن جس طرح کہتا ہے تم بھی کہتے جاؤ۔ پھر مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا۔ اللہ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت میں ایک بلند درجہ ہے' اور مجھے امید ہے کہ بندگان اللہ میں میرے سوا کسی بندہ کو یہ درجہ نصیب نہ ہوگا۔''

وسیلہ کے دونوں مذکورہ بالا مفہوم دراصل ایک ہی ہیں۔ لیکن دونوں میں سے کسی میں مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا کوئی ذکر و شائبہ تک موجود نہیں' لہٰذا دحلان کا ان اشعار سے ذاتِ رسول کا وسیلہ لینے کے جواز پر استدلال کرنا محض جہالت ہے۔

حضرت سواد بن قارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست فرماتے ہیں کہ اللہ سے دعا فرمائیں کہ قیامت کے دن مجھے آپ کی شفاعت نصیب ہو جائے' اور آپ میرے شفیع بن جائے' اور آپ میرے شفیع بن جائیں' اور یہ درخواست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں' آپ کے سامنے آپ کی حیات میں کی جارہی ہے۔ اور اس طرح کی درخواست دعا کیلئے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے کیا کرتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ آپ اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا فرمائیں گے اور ضرور قبول ہوگی۔ اس لئے لوگ آپ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے' لیکن یہ سب کچھ آپ کی زندگی میں اور آپ کے روبرو ہوا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست' شفاعت کی گذارش سب بے سود اور حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ اس قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو وسیلہ بنانے کا ثبوت موجود ہے اور ان اشعار کو دلیل بنا کر اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے اور آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے' تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا ان اشعار کے کسی لفظ سے لغتہً واشارۃً ثبوت نہیں ملتا۔

حدیث کی سند پر بحث:

مذکورہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوا کہ متن حدیث سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سواد بن قارب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ مراد لیا تھا۔

جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس پر بحث کر کے وقت ضائع کیا جائے۔ یہ حدیث بیہقی' ابو یعلیٰ' ابو بکر محمد بن جعفر الخرائطی وغیرہ میں جہاں جہاں بھی مروی ہے' ہر جگہ ایسے کذاب' وضاح اور متروک رواۃ ہیں۔ جن کی روایتوں کو محدثین کرام مردود و ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں' اور یہ حدیث اس لائق نہیں کہ اسے عقیدہ توسّل جیسے اہم مسئلہ میں سند و حجت قرار دیا جائے۔

حدیث اللّٰھُمَّ رَبِّ جِبْرَائِیْلَ وَ مِیْکَائِیْل

نووی نے ''الاذکار'' میں روایت کی ہے کہ '' انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ان یقول العبد بعد رکعتی الفجر ثلاثا ، اللّٰھم ربّ جبرائیل و میکائیل واسرافیل و محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اجرنی من النار۔''

متن حدیث پر بحث:

شیخ دحلان نے اپنی کتاب ''الدررالسنیہ فی الردعلی الوھابیہ'' میں مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے اور نووی کی طرف بھی اس حدیث کو منسوب کردیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الاذکار'' میں اس حدیث کو پوری طرح نقل کردیا ہے۔ دحلان نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینا جائز ہے اور اس کے جواز کی تائید کو شیخ ابن علان شارح ''الاذکار'' کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح '' ہمیں تو تعجب اس پر ہے کہ دحلان نے اس حدیث سے وسیلہ کا جواز کیسے نکال لیا؟ جب کہ وسیلہ کا خواہ وہ ممنوع ہو یا مشروع اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ حدیث میں تو صرف جہنم سے بچنے کی دعا کی گئی ہے' جیسا کہ ہم سب اہل ایمان اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جہنم سے بچائے۔ یہ عام دعا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

ہمارا اختلاف تو اس پر ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں مخلوقات کی ذات کا وسیلہ حرام ہے' جب کہ دحلان اور ان کے گروہ کے لوگ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اس حدیث سے تو کسی قسم کے وسیلہ کا سرے سے تعلق ہی نہیں۔

اگر حدیث میں حضرت جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور بس اتنی سی بات سے ان کا وسیلہ جائز سمجھ لیا گیا تو اس سمجھ پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ اس عقل وفہم کا نہ کوئی جواب ہے نہ مثال ونظیر۔

اس حدیث کا تعلق دور ونزدیک کسی بھی قسم کے وسیلہ سے ہی نہیں۔ اللہ کے نام کی طرف چند ناموں کی نسبت ان کی بزرگی اور کرامت کے لئے ہے' نہ کہ ان سے وسیلہ لینے کے لئے۔ یہ حقیقت سب کے نزدیک مسلم ہے اور اس پر کسی دلیل وثبوت کی ضرورت نہیں۔

قرآن مجید میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً '' رَبُّ الشِّعْـرٰی ، رَبُّ الْعَـرْشِ الْعَظِیْمِ ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ، رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ ، رَبُّ الْمُشرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمُغْرِبَيْنِ''۔

ان چیزوں کی اللہ کی طرف جونسبت کی گئی ہے تو کیا ان کا وسیلہ بھی جائز ہے؟ ہرگز نہیں! اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔افسوس ہے کہ مخلوقات کا وسیلہ ڈھونڈنے والے حضرات کیسی کیسی رکیک ومضحکہ خیز دلیلیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔کاش! وہ کتاب وسُنّت کی واضح ہدایات کے متبع ہوکر مشروع وسیلہ کو اختیار کرتے تو دارین کی سعادت پالیتے۔

دحلان نے اس حدیث کو اپنے مطلب کے مطابق توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور نقل بھی غلط کیا ہے۔مثلاً متن میں نووی کے حوالے سے اس کو لکھا ہے کہ: انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ان یقول العبد بعد رکعتی الفجر ثلاثا ، اللّٰھم ربّ جبرائیل الخ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ نووی کے ''الاذکار'' میں لفظ ''امر'' نہیں ہے۔بلکہ پوری حدیث اس طرح ہے۔

روینا فی کتاب ابن السنی عن ابی الملیح واسمه عامر بن اسامة عن ابیه رضی اللہ عنه انه صلی رکعتی الفجر وان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قریبا منه رکعتین خفیفتینن ثم سمعه یقول وهو جالس اللهم رب جبرائیل و اسرافیل و میکائیل ومحمدٍ النبی صلی اللہ علیه وسلم اعوذبک من النار ثلاث مرات۔''

نووی نے ''الاذکار'' میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کیا ہے۔اس میں لفظ'' امر ''موجود نہیں ہے اور نہ لفظ ''اللهم اجرنی من النار '' ہے بلکہ'' اعوذبک من النار '' ہے۔دیکھئے دحلان نے روایت میں کتنی تبدیلی اور کتر بیونت کیا ہے۔تبدل وتحریف تو امت محمدیہ کا نہیں بلکہ یہود ونصاری کا شیوہ رہا ہے اللهم لا تجعلنا منهم

دحلان نے بیک وقت ابن علان اور نووی دونوں کی طرف غلط بیانی کی ہے جب کہ یہ حضرات اس سے بری ہیں۔کیا دحلان اس جھوٹ وفریب کے ساتھ مخلوقات کا وسیلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ لیکن کذب وتحریف تو کبھی بھی حجت ودلیل نہیں بن سکتی

اس کے علاوہ اس حدیث کی سند پر حافظ ابن حجر اور دوسرے محدثین نے بڑی جرح کی ہے اور اس کے اکثر روات کو ضعیف ومتروک قرار دیا ہے۔

لَوْ لَا عِبَادٌ رُكَّعٌ

لولا عباد ركع وصبيةٌ رُضّع وبهائم رتعٌ لصب عليكم البلاء صبا ○

ترجمہ: ''اگر رکوع کرنے والے بندے' اور دودھ پیتے بچے' اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب پھٹ پڑتا

متن حدیث پر بحث:

بلاشبہ رکوع کرنے والوں کی فضیلت ہے' اور اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے' اور دودھ پیتے بچے معصوم و بے گناہ ہیں' اور چرنے والے جانور غیر مسئول ہیں' اور صاحب عقل نہیں ہیں' لیکن ان کی وجہ سے مستحقین پر عذاب کا نزول رک نہیں سکتا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے' چاہے تو ان معصومین پر رحم و ترس کھا کر عذاب کو روک دے' اور چاہے تو سب پر یکساں عذاب نازل کر دے' اور پھر ان میں سے جس کے جیسے اعمال ہوں اس کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ لہٰذا ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مذکورہ لوگوں کی وجہ سے عذاب رک جائے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ○

ترجمہ: ''اس فتنے سے بچو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی تک مخصوص نہ ہوگا۔''

ہوسکتا ہے اللہ سب پر یکساں عذاب نازل فرمائے' پھر ان میں سے متقیوں کو جنت کی طرف بھیج دے اور مجرموں کو جہنم کی طرف دھکیل دے۔

لہٰذا روایت مذکورہ بالا مطلق صحیح نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس میں وسیلہ کا کوئی ذکر و معنی بھی موجود نہیں۔ رکوع و سجود کرنے والوں' دودھ پیتے بچوں' اور چرانے والوں کا وسیلہ لینے کا کوئی ذکر اس حدیث میں ہے ہی نہیں۔ اس سے تو بس اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے اللہ ترس کھا کر عذاب روک دے' بس اور کچھ نہیں لیکن ان سے وسیلہ لینا وغیرہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔

پھر یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے بھی قابل استدلال نہیں۔ اس کی سند میں دو مجہول راوی ہیں۔ مالک بن عبیدہ اور ان کے والد عبیدہ دونوں ہی مجہول ہیں۔ اور جس حدیث میں ایک راوی بھی مجہول ہو' وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں تو دو مجہول راوی ہیں۔ اس طرح یہ حدیث متن اور سند دونوں اعتبار سے حجت و دلیل نہیں بن سکتی۔

❁❁❁❁

حدیث السؤال بمحمد والانبیاء

حضرت محمد ﷺ اور انبیاء کرام کے نام سے سوال کرنا

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں قرآن پڑھتا ہوں اور وہ دماغ سے نکلتا رہتا ہے۔'' تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا 'کہو۔''اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ اور تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور تیرے کلیم موسیٰ علیہ السلام اور تیرے روح اور کلمہ عیسیٰ کے ذریعہ' اور موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ اور عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرقان اور تیری تمام وحی کے ذریعہ اور تیرے تمام فیصلوں کے ذریعہ''

متن حدیث پر غور:

اس حدیث پر غور کیجئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بنیاد کے خلاف ہے کیونکہ یہ شرع میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ وسیلہ کی دو قسمیں ہیں۔ مشروع۔ اور ممنوع۔ مشروع جس کی اللہ اور اس کے رسول نے تاکید کی' صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور جس کے محکم اور واضح دلائل کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ سے ثابت ہیں۔

اور یہ مشروع وسیلہ بھی تین قسموں پر مشتمل ہے۔

اول' اللہ کے اسماء حسنیٰ' اس کی صفات علیا اور ذات عالی کا وسیلہ۔

دوم اعمال صالحہ کا وسیلہ' اور سوم مومن کی اپنے بھائی کے لئے دعا کا وسیلہ جس میں سے ہر ایک کی مثال کی تفصیل دی جاچکی ہیں۔

ممنوع وسیلہ یعنی مخلوقات کی ذات کا وسیلہ تو اس کی تائید میں نہ تو کتاب اللہ سے ہوتی ہے نہ سُنّت رسول اللہ سے نہ اس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا' نہ خیرون القرون کے مسلمانوں نے' اس کو تو صرف جاہلوں نے اختیار کیا' وہ کہتے تھے (**مانعبدھم الّا لیقربونا الی اللہ زلفٰی**) ہم ان کی محض اس لئے بندگی کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کردیں گے۔'' اور یہی ممنوع وسیلہ تھا جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا تھا اور جاہلوں کی اس تاویل کو اللہ نے قبول نہیں کیا تھا اور اسی لئے انبیاء کرام کو بھیج کر اللہ نے اس وسیلہ کو منع کرایا تھا۔ لہٰذا یہ محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے منع کریں پھر اسی پر عمل بھی کریں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا اس پر

عمل کرنے کے لئے اپنی امت کو ترغیب دیں۔

اللہ نے قرآن مجید میں ہود علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے۔

وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰاكُمْ عَنْهُ ○

ترجمہ: ''اور میں نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تم کو روکتا ہوں اس بارے میں تمہارے خلاف کروں۔

ظاہر ہے کہ دعوت و پیغام کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی مسلک پر تھے تو جس طرح حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ایک بات کہہ کر اپنے عمل سے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کو جس چیز کی ہدایت فرماتے تھے، اپنے عمل سے اس کی مخالفت ہرگز نہیں کرتے تھے۔

لہٰذا یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ آپ نے امت کو تو مخلوقات کے وسیلہ سے منع فرمایا اور خود ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو **اللھم انی اسئلک بمحمد نبیک و ابراھیم خلیلک** الخ کی تعلیم دی ہو۔ بلاشبہ یہ ناممکن ہے، اور یہ اللہ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے کہ۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ' ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○

ترجمہ: ''اگر یہ پیغمبر، ہماری نسبت کوئی جھوٹ بات بنالاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے محال ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں جو مشرکانہ دعا بتائی گئی ہے، اس کی آپ نے تعلیم دی ہو۔ سبحانك هذا بهتان عظيم قول و فعل کا یہ تضاد خود اس حدیث کے موضوع ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

متن کے علاوہ اس حدیث کی سند بھی ناقابل اعتبار ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو رزین بن معاویہ العبدری نے اپنی جامع میں اور ابن الاثیر نے جامع الاصول میں روایت کیا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس کو مسلمانوں کی کسی معتبر و متداول کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن السنی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں اور ابونعیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ لیکن ان کتابوں میں اتنی کثرت سے موضوع حدیثیں ہیں کہ شریعت کے مسائل میں ان کتابوں کی مرویات پر اعتماد کرنا باتفاق علماء اسلام جائز نہیں۔ اصبہانی نے بھی ''فضائل اعمال'' میں اس کو روایت کیا ہے، جبکہ یہ کتاب بھی موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

اس حدیث کا راوی عبدالملک بن ہارون عنترہ مشہور کذاب ہے۔ یحیی بن معین نے بھی اس کو کذاب کہا ہے، اور السعدی نے اس کو دجال کہا ہے، امام نسائی نے اس کو متروک کہا ہے، اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے اس کو ضعیف کہا

ہے اور علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں نقل کیا ہے۔

الغرض متن اور سند دونوں ہی اعتبار سے یہ حدیث ساقط الاعتبار اور نا قابل استدلال ہے۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس پر حدیث کا اطلاق بھی کیا جا سکے۔ تحقیق وتنقید کی میزان پر یہ پوری اتر ہی نہیں سکتی' اس لئے مخلوقات کے وسیلہ کے جواز میں اس کو پیش کرنا علم حدیث اور اس کی ثقاہت کا مذاق اڑانا ہے۔

دعاء حفظ القرآن

موسیٰ بن عبدالرحمٰن الصنعانی صاحب تفسیر نے اپنی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ''جس کو یہ پسند ہو کہ قرآن اور دوسرے اقسام علم کو وہ یاد کرے تو اس کو یہ دعا کسی صاف برتن' یا شیشے کی پلیٹ پر شہد اور زعفران اور بارش کے پانی سے لکھنی چاہئے اور نہار منہ پینا چاہئے اور تین دن روزہ رکھنا چاہئے اور اسی سے افطار کرنا چاہئے اور اپنی نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اللھم انی اسئلک بانک مسئول لم یسئل مثلک ولا یسئل واسئلک بمحمد نبیک وابراھیم خلیلک وموسٰی نجیک وعیسٰی روحک وکلمتک ووجیھک ○

ترجمہ: ''اے اللہ' میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو مسئول ہے تیرے مثل سے سوال نہیں کیا جاتا نہ کیا جائے گا' اور تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نبی کے واسطہ سے اور ابراہیم تیرے خلیل کے واسطہ سے اور موسیٰ تیرے کلیم سے' اور عیسیٰ تیری روح اور تیرے کلمہ اور تیرے وجیہہ سے۔''

متن حدیث پر بحث:

یہ بات تو سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ قرآن یا اس کے علاوہ علوم کا یاد رکھنا اور ان کا نہ بھولنا محض تکرار اور بار بار دھرانے ہی سے ہوتا ہے۔ اس مستقل طور پر دہرانے اور تکرار کرنے ہی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور دوسرے علوم کے حفظ رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور تائید سے قرآن اور دوسرے علوم محفوظ رہتے ہیں۔ اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو قرآن اور کسی بھی علم کا ایک حرف تک یاد نہ رہے' جیسے دوا' کہ وہ صحت وشفاء کا ذریعہ ہے' لیکن شافی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

لیکن جو طریقہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ یہ دعا کسی صاف برتن میں شہد' زعفران اور بارش کے پانی سے لکھ کر پی جائے' اور تین دن روزہ رکھا جائے اور اسی دوا سے افطار کیا جائے' اور اس دعا کو نمازوں کے بعد پڑھا جائے۔ یہ تو عجیب وغریب طریقہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی صحیح حدیث میں نہیں پایا۔ رہا پلیٹ پر زعفران اور بارش کے پانی سے لکھنا یہ تو تعویذ گنڈے والے مفت خور لوگ ہی حرام خوری کے لئے کرتے ہیں۔ اگر تم کو قرآن اور کوئی بھی علم یاد رکھنا ہے تو مستقل دہراؤ اور تکرار کرو' اللہ کی مدد اور تائید سے وہ یاد رہے گا' اور شہد اور زعفران کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

البتہ اس حدیث میں ایسی باتیں ہیں جو اس حدیث کے جھوٹ اور موضوع ہونے کی کھلی دلیل ہیں مثلاً لـــم یســـئـــل مثلک کا جملہ تو کوئی کافر ہی کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ مثلک یعنی تیرا مثل، جبکہ اللہ کا کوئی مثل ہے نہ کفوء اللہ کا ارشاد ہے۔ وَلَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ) یہ تنہا ایک مثال ہی اس حدیث کے باطل و نا قابل حجت ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے بھی منکر اور موضوع ہے۔ اس حدیث کے باطل و نا قابل حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اس حدیث کا راوی موسیٰ بن عبدالرحمٰن کذاب تھا۔ بعض محدثین نے اس کو حدیثیں گڑھنے والا بتایا ہے۔

❁❁❁❁

حَدِیْثُ اِسْتَفْتَاحِ الْیُھُوْدِ

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ اپنے والد سے، وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ''خیبر کے یہودی غطفان سے لڑتے تھے جب بھی مڈبھیڑ ہوتی تو یہودی شکست کھاتے تو انہوں نے اس دعا کے ذریعہ پناہ مانگی **اللھم انا نسالک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا اٰخرالزمان ' الا نصرتنا علیھم** ''جب بھی یہ دعا پڑھ کر لڑتے تو غطفان کو شکست دے دیتے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا، جس کی بابت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرہ۔۸۹)

متن حدیث پر بحث:

آیت مذکورہ بالا (وَكَانُوْا مِنْ قَبْلَ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) خیبر کے یہودیوں کے بارے میں اتری ہی نہیں ہے، بلکہ یہ تو ان یہودیوں کے بارے میں اتری ہے جو مدینہ منورہ کے آس پاس بنوقینقاع، بنوقریظہ اور بنونضیر کے قبائل میں سے تھے ۔اسی پر اہل تفسیر وسیر کا اتفاق ہے۔

چنانچہ محمد بن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی قوم کے کچھ لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو اسلام کی طرف جن باتوں نے دعوت دی ان میں اللہ کی رحمت کے ساتھ وہ باتیں بھی ہیں جنہیں ہم یہودیوں سے سنا کرتے تھے۔ ہم مشرک و بت پرست تھے، اہل کتاب کے پاس علم تھا، ہم علم سے بھی عاری تھے، ہمارے اور ان کے درمیان برابر چھیڑ چھاڑ ہوا کرتی تھی۔ جب ہماری طرف سے ان کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ہم سے کہتے۔ ''اب ایک نبی کا زمانہ قریب آ گیا ہے، وہ جلد ہی ہم میں مبعوث ہوگا، تب ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے عادِ ارم کی طرح لڑیں گے۔'' یہ باتیں ہم اکثر ان سنا کرتے تھے۔

اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اس حقیقت کو بھی جان گئے جسکی وجہ سے یہودی ہمیں دھمکایا کرتے تھے، لہٰذا ہم آپ پر جلد ایمان لائے اور یہودیوں نے آپ کا انکار کر دیا چنانچہ ہمارے اور ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِاللهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ: ''اور جب اللہ کے یہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے جس چیز کے ذریعہ کافروں پر مدد مانگتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس پہنچی تو اس سے منکر ہو گئے 'پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

۲۔ اس حدیث میں ہے کہ یہودیوں نے غطفان سے جنگ کی' جبکہ یہودیوں نے کبھی بھی غطفان سے جنگ نہیں لڑی' لہٰذا یہ کہنا کہ یہ آیت خیبر کے یہودیوں اور غطفان کے بارے میں نازل ہوئی' غلط ہے۔ بلکہ جیسا ابھی ذکر ہوا کہ یہ آیت مدینہ کے آس پاس کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

راوی کی یہ فاش غلط بیانی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں جو دعا گڑھی گئی ہے وہ بھی اس تاریخی حقیقت کو مسخ کرنے کی طرح خود اپنے آپ بنائی گئی ہے۔

۳۔ نیز اس پر غور کرنا چاہئے کہ توراۃ تو یہود عرب کی جنگ کے پہلے سے موجود تھی' جب اس میں یہ دعا موجود تھی تو یہودیوں نے اس دعا کو پہلے ہی کیوں نہ پڑھ کر عربوں پر فتح حاصل کر لی تھی' اور کیوں مدتوں اپنے بال بچوں کو قتل و برباد ہوتے دیکھتے رہے اور اس دعا کو پڑھ کر فتح نہیں حاصل کر لی؟

معلوم ہوا کہ یہ حدیث خود ہی من گھڑت ہے اور بے اصل ہے۔ اگر اس کا کوئی وجود ہوتا تو ضرور یہودی اس دعا کو پہلے ہی پڑھتے رہتے اور صدیوں تک عربوں کے ہاتھوں برباد نہ ہوتے رہتے۔

۴۔ مذکورہ بالا دعا میں ''بحق محمد النبی الامی ''یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ''محمد'' موجود ہے' جبکہ یہودیوں نے اپنے کسی آدمی کا نام کبھی بھی محمد نہیں رکھا تھا۔ اس لئے کہ توراۃ کی اس پیشین گوئی کو جس میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی بشارت ہے' اس نبی کو وہ اسرائیلی نبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابوالعالیہ کی روایت ہے کہ جب یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عربوں پر مدد مانگتے تھے تو کہتے تھے۔ ''اے اللہ' اس نبی کو مبعوث فرما جس کے متعلق ہم اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں' تاکہ ہم مشرکین پر غالب ہو جائیں اور انہیں ہلاک کر ڈالیں۔''

لیکن جب اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے دیکھا کہ آپ تو ان میں سے نہیں' بلکہ عربوں میں سے ہیں تو حسد کے مارے آپ کا انکار کر دیا۔ حالانکہ دل سے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں' اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

۵۔ اس روایت کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محمد بن اسحاق اور ابوالعالیہ دونوں کی روایتوں میں

لفظ ''محمد'' نہیں ہے بلکہ صرف ''نبی آخر الزماں'' ہے، پھر دعا میں یہودی کس طرح ''بحق محمد النبی'' پڑھ سکتے تھے، جیسا کہ دعا میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سب طبع زاد باتیں ہیں جو بے سوچے سمجھے گڑھی گئی ہیں۔

الغرض متن حدیث میں اتنا تضاد اور حقیقت کے خلاف مواد موجود ہے کہ کوئی بھی صاحب عقل اس کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ نیز متن کی ان غلطیوں کے ساتھ ساتھ سند کی بھی اتنی نکارت موجود ہے کہ اس کو کسی طرح قابل حجت و دلیل بنایا ہی نہیں جا سکتا۔

اس روایت میں عبدالملک بن ہارون کے کذب کی بابت ابھی اوپر پوری تفصیل آ چکی ہے۔ نیز علامہ ابن جوزی نے اس کو ''الموضوعات'' میں بھی شامل کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ حدیث، صحیح حدیث کے شمار میں آ ہی نہیں سکتی۔

❁ ❁ ❁ ❁

حَدِیْثُ اَنَا فَاعِلٌ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ قیامت کے دن میرے لئے شفاعت فرمائیں، تو آپ نے فرمایا۔ ''اَنَا فَاعِلٌ'' (میں کرنے والا ہوں)

یہ حدیث جیسا کہ آگے بحث آرہی ہے، صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس حدیث میں تو اس کا بیان ہے کہ بندہ اپنے مومن بھائی کی دعا کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا سکتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو ''اَنَـــا فَـــاعِـلٌ'' فرمایا تو یقیناً حضرت انسؓ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اجازت کا علم آپ کو اللہ کی طرف رہا ہوگا، جیسے حضرت عکاشہؓ کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا ''انت منھم'' کیونکہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ حضرت عکاشہؓ ستر ہزار لوگوں میں سے ہیں جو بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے تو آپ ''انت منھم'' ہرگز نہ فرماتے۔

نیز جب حضرت انسؓ نے آپ سے شفاعت کے لئے دعا کی درخواست کی تھی اس وقت حضرت انسؓ بھی زندہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ تھے، اس لئے آپ نے ۔ 'اَنَا فَاعِل ۔ کہہ دیا تھا۔

حضرت انسؓ نے آپ سے قیامت کے دن شفاعت کا مطالبہ کیا تھا جس کا مطلب صرف یہی ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اللہ سے دعا مانگیں کہ حضرت انسؓ کو ان لوگوں کی صف میں رکھا جائے جن کے لئے شفاعت کی اجازت اللہ کی طرف سے ملی ہوگی۔ اگر آپ اللہ سے اس بارے میں دعا فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ضرور قبول ہوگی، کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ اس طرح حضرت انسؓ جنت کے حصول اور آخرت کی کامیابی کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کررہے تھے۔

'اَنَا فَاعِل ۔ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ حضرت انسؓ کیلئے پہلے ہی دعا کرتے رہے ہوں اور جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں تو تمہارے کہنے سے پہلے ہی سے تمہارے لئے دعا کررہا ہوں۔

نیز اب حضرت انس کی اس حدیث کو پیش کرنے اور اس سے استدلال کرنے کا فائدہ ہی کیا؟ یہ سب تو آپ کی زندگی تک تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست اور آپ کا جواب سب ناممکن العمل ہے۔ کیا کوئی ایسا بھی ہے جو اس حدیث کی روشنی میں اب بھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر چودہ صدیاں گذر رہی ہیں، آپ سے دعا کی درخواست کررہا ہے اور کیا کبھی کسی

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنی درخواست کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ اور کیا صحابہ کرامؓ نے آپ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی کہ ہم بھی ان کی اتباع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کریں؟ نہیں، ہرگز نہیں؟

لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ استدلال کرنا بالکل بے محل اور سراسر غلط ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا وسیلہ لیا تھا۔ نہیں بلکہ انہوں نے صرف آپ سے دعا کی درخواست کی تھی، جیسے ہر مومن اپنے مومن بھائی سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کی دلیل میں پیش کرنا بالکل غلط اور بے محل ہے۔

اس کے علاوہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن غریب'' کہا ہے اور اس کی سند میں ابوالخطاب حرب بن میمون کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کا مرثیہ

شیخ دحلان نے حضرت صفیہؓ کے اس مرثیہ کو مخلوقات کی ذات کا وسیلہ بنانے کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ نے یہ مرثیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہا ہے، جس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

الا یارسول اللہ انت رجاء نا وکنت بنا برا ولم تک جافیاً

یارسول اللہ، آپ ہی ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، اور آپ ہمارے ساتھ نیکی کرنے والے تھے، سخت گیر نہ تھے

اس قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو صاف طور پر خطاب کر کے **یارسول اللہ انت رجاء نا**۔ کہا گیا ہے۔

اس مرثیہ کی روایت پر بحث:

۱۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مرثیہ حضرت صفیہؓ کا ہے ہی نہیں۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں ان تمام مراثی کے ساتھ ذکر ہی نہیں کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہے گئے ہیں۔

۲۔ اس مرثیہ میں تحریف کی گئی ہے اور۔ **کنت رجاء نا**۔ کو **انت رجاء نا** کر دیا گیا ہے چنانچہ حافظ الہیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' جلد ۹ صفحہ ۳۹ باب فی وداعہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرثیہ کہتے ہوئے کہا۔

الا یارسول اللہ کنت رجاء نا وکنت بنا برا ولم تک جافیا

یہ طبرانی کی روایت ہے، لیکن دحلان نے تحریف کر کے اس شعر کو اپنی کتاب ''الدرر السنیہ فی الرد الوہابیہ'' میں ''**کنت رجاء نا**'' کے بجائے **انت رجاء نا** لکھ دیا ہے تاکہ اس سے وہ ثابت کر سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی زندگی میں لوگوں کی امیدیں پوری کر دیا کرتے تھے، اب اپنی وفات کے بعد بھی اسی طرح پوری کر سکتے ہیں۔ دحلان کی یہ حرکت اس ارشاد الٰہی کے مطابق ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ (ان ظالموں سے جو بات کہی گئی تھی اس کی جگہ انہوں نے دوسری بدل دی۔)

شیخ محبّ الدین طبری نے ''ذخائر العقبیٰ فی مناقب القربیٰ'' میں لکھا۔ **کنت رجاء نا** ۔ ہے **انت رجاء نا** ۔ نہیں۔ دحلان نے یہ کھلم کھلا تحریف کی ہے۔ بھلا بتائیے کیا تحریف و تبدیل ہی کو اب حجت و دلیل بنایا جائے؟ ایسی دلیل تو کوئی بے حیاء

ہی پیش کرسکتا ہے

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا صحیح جملہ کنت رجاء نا تو دراصل ان لوگوں کے کے عقیدہ باطلہ کی کھلی تردید ہے' کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور حیات میں واضح فرق بتادیا ہے۔

''کنت رجاء نا'' کا مطلب یہ ہوا جب آپ زندہ تھے تو لوگ اپنے مسائل آپ کے پاس لے کر پہنچتے تھے' اور آپ وحی الٰہی کی روشنی میں ان کے دنیاوی اور دینی مسائل حل کردیا کرتے تھے۔ یہ مسائل تعلیم وتبلیغ اور رشد وہدایت سے متعلق ہوا کرتے تھے' ورنہ رزق اور مصائب کا ٹالنا وغیرہ تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے' اور ان میں کسی کو دخل نہیں۔

ان تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ اس روایت کا جو متن شیخ دحلان نے پیش کیا ہے وہ بالکل محرف ہے اور ایسا قصداً کیا گیا ہے اور ایسا جان بوجھ کر یہ تبدیلی کی گئی ہے تاکہ مخلوقات کے وسیلہ کا جواز مل جائے۔ افسوس!

اس روایت کی سند پر بحث:

یہ روایت منقطع ہے' اس لئے اس کی سند میں عروہ بن زبیر ہیں جن کی ولادت ۲۹ھ میں ہوئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۱۹ سال بعد' اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ آپ کی وفات کے فوراً بعد ہی کا ہے۔ یعنی عروبن زبیر اس قصیدہ کو لکھنے کے ۱۹ سال بعد پیدا ہوئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۲۰ھ میں وفات پاگئیں' یعنی عروہ بن زبیر کی پیدائش سے ۹ سال پہلے۔ اس طرح عروہ بن زبیر نے اپنی دادی صفیہؓ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اس لئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایت منقطع ہوگئی۔ اس طرح یہ روایت متن کے اعتبار سے محرف اور سند کے اعتبار سے منقطع ہے' لہٰذا کسی طرح بھی حجت ودلیل کے قابل نہیں۔

❁❁❁❁

امام ترمذی کا خواب

طاہر بن ہاشم باعلوی نے اپنی کتاب ''مجمع الاحباب'' میں امام ترمذیؒ صاحب السنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا اور یہ سوال کیا کہ ''ایمان کس چیز سے مرتے وقت تک سلامت رہتا ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' کہو۔

الھی بحرمة الحسن واخیه وجدّه وبنیه وامه وابیه نجنی من الغم الذی انا فیه ' یا حیّ یا قیوم یاذالجلال والاکرام اسألک ان یحیی قلبی بنورک معرفتک یا الله یا الله یا الله یا ارحم الرحمین ○

ترجمہ: ''اے اللہ! حسن' ان کے بھائی' اور ان کے نانا' اور ان کے بیٹوں اور ان کی ماں' ان کے باپ کی عزت کے صدقہ میں مجھے اس غم سے نجات دے جس میں' میں پھنسا ہوں اے زندہ رہنے والے' اے قیوم اے جلال و بزرگی والے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا دل اپنی معرفت کے نور سے زندہ کردے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا ارحم الراحمین۔''

یہ خواب شیخ دحلان نے اپنی کتاب ''الردالسنیہ فی الرد علی الوھابیہ'' میں لکھا ہے' گویا دحلان نے قسم کھالی ہے کہ اس کے عقیدہ کے مطابق جو کچھ بھی ملے گا وہ اپنی کتاب میں بھر ڈالے گا' خواہ وہ روایت یا بے ثبوت ہو۔ مثلاً یہ خواب' جس کا کوئی اتہ پتہ نہیں' لیکن اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت ہو رہا ہے' اس لئے دحلان نے اپنی کتاب میں اس کو جگہ دے دی۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرتا تو اس پر جھپٹ پڑتے کہ بھلا خواب بھی کہیں دلیل و حجت بن سکتا ہے؟ لیکن یہاں معاملہ اپنا خود کا ہے' اس لئے الٹا سیدھا جو کچھ مل جائے' سب کمزور دلائل کی ٹوکری میں ڈھیر کر دیا جائے۔ یہ اس آدمی کا حال ہے جس کے علم و فضل کا کچھ لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور جو کسی زمانہ میں مکہ کا قاضی بھی رہ چکا ہے۔

البتہ جن کو اپنے علم کا احساس ہے' ان کا فرض ہے کہ علم کا حق ادا کریں۔ جادہ حق سے سرمو انحراف نہ کریں اور نصوص میں تحریف و تبدیل سے اجتناب کریں' کیونکہ یہ علماء کی شان کے خلاف ہے۔ بہرحال' دحلان مر چکے ہیں' ہمیں امید ہے کہ مرنے سے قبل انہوں نے ان لغویات سے توبہ کر لی ہوگی۔

اب ذرا اس خواب پر ایک نظر ڈال لی جائے جو حضرت امام ترمذیؒ کی طرف منسوب ہے۔

۱۔ اس خواب کی کوئی صحیح سند جو امام ترمذیؒ تک پہنچتی ہو' موجود نہیں۔

۲۔ خواب کی کوئی شرعی حیثیت نہیں' نہ وہ دین کی کوئی اصل ہے خصوصاً وہ خواب جو کتاب وسُنّت کی نص کے خلاف ہو

ہم امام ترمذیؒ جیسے علم کے پہاڑ ناصر السنہ النبویہ المطہرہ کو اس سے بہت بلند سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح کی لغو بات کہیں گے جس سے کذاب اور وضاع لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان بزرگوں کے نام سے عوام کو گمراہ کریں۔ عوام تو علم و تحقیق سے کورے ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے بزرگوں کے متعلق کچھ سن لیا تو اس کو پکڑ بیٹھے ہیں اور رفتہ رفتہ کچھ عرصہ بعد خواص بھی اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ امت میں کذاب و دجال لوگوں نے اسی طرح گمراہیاں پھیلائیں ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ اس خواب سے بری ہیں' اور ان کی طرف اس خواب کو منسوب کرنے والے جھوٹے فریبی لوگ اس کی صحیح و متصل سند نہیں پیش کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر بڑا انعام و احسان فرمایا ہے کہ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی قبول فرمالی ہے' اور اس دین کو مکمل کر دیا اور اس سے راضی ہوا۔ لہٰذا قرن اول میں جو چیز دین نہ تھی' آج بھی دین نہ ہوگی۔ دین مکمل ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ○

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوا۔'' (المائدہ)

لہٰذا اس کے بعد ہم کو کسی خواب کی ضرورت نہیں جو ہمارے دین کی بنیاد کو ہلا ڈالے۔ اگر یہ خواب صحیح مان لیا جائے تو واقعہ کے اعتبار سے ہر صحیح چیز قابل قبول نہ ہوگی' جب تک کہ وہ کتاب و سُنّت کے موافق نہ ہو' اور اس سے دین کی کوئی اصل ٹوٹتی نہ ہو۔

شیطان عام طور پر جہلا اور کم عقل والوں کو اسی قسم کے خواب کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تو توحید و سُنّت کے اس مقام پر فائز تھے جہاں شیطانوں کا مکر و فریب کارگر نہیں ہو سکتا تھا' اور وہ بھی واسطہ وسیلہ جیسے اہم مسئلہ میں کیونکہ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور مخلوق کے درمیان کسی واسطہ کو ہرگز قبول نہیں کرتا' سوائے انبیاء کرام کے اس واسطہ کے کہ وہ اللہ کی وحی کو بندوں تک پہنچا دیں اور بس۔

اس خواب کو گڑھنے والوں نے کتنی خوبصورتی سے گڑھا تھا تاکہ عوام دھوکہ میں آ کر مان لیں۔ حسن و حسین' علی و فاطمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارک کو کتنی ہوشیاری سے ترتیب دے کر ان کی حرمت کا وسیلہ مانگا گیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

افسوس ہے کہ دحلان جیسے عالم نے جن کے علم کا کچھ چرچا بھی ہے کس طرح اس خواب جیسی رکیک اور بے ثبوت چیز کو مدار دین بنا کر پیش کر دیا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ۔ آمین

❁❁❁❁

امام شافعیؒ اور آل بیت کا وسیلہ

ابن حجر المکی نے اپنی کتاب ''الصوعق المحرقه لاخوان الضلال والزندقه''میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آل بیت نبوی کا وسیلہ لیا۔ چنانچہ ان کے یہ اشعار ہیں۔

اٰل النبی ذریعتی وھم الیه وسیلتی

آل نبی میرا ذریعہ ہیں اور وہ اللہ تک میرا وسیلہ ہیں

ارجوا بھم اعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی

ان کے وسیلہ سے مجھ کو امید ہے کہ کل میرے داہنے ہاتھ میں میرا نامہ اعمال دیا جائے گا

یہ آسان ہے کہ کسی آدمی پر کوئی تہمت لگا دی جائے، لیکن صرف الزام کافی نہیں، اس کے ثبوت اور دلیل کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ دعویٰ بلا دلیل بے قیمت ہے۔ اور بلا ثبوت جس پر بھی تہمت لگائی جائے گی وہ اس سے بری و پاک سمجھا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جو دینی مقام اور کتاب وسُنّت کے ساتھ ان کے تمسک کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے ایسے ناصر السنۃ اور قاطع البدعۃ شیخ جلیل وامام کبیر کی بابت یہ کہنا کہ وہ عقیدہ توحید کی دھجیاں اڑائیں گے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان اشعار کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف غلط اور جھوٹ ہے اور یہ ان پر سراسر تہمت والزام ہے جس کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل بیت سے بڑی محبت تھی، لیکن ایسی محبت نہیں کہ جو کتاب وسنت کی تعلیمات کو پھاند جائے۔ سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں، بلکہ وہ جاہلیت کا شعار تھا جس سے امام عالی مقام بلند و پاک تھے۔ لہٰذا بلا ثبوت امت کے اتنے عظیم امام وبطل جلیل کی بابت ایسا قبیح الزام سخت بے حیائی اور ظلم ہے۔

اس روایت کی سند بھی بالکل تاریک اور مجہول ہے اور صرف تخیلات اور مزعومات پر مبنی ہے۔ اس کی سند تو دراصل صرف ان لوگوں کے دماغ میں ہے جنہوں نے نہ صرف امام شافعیؒ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت من گھڑت اور موضوع باتیں پھیلائیں، لیکن اہل حق کبھی ان سے دھوکہ نہیں کھا سکتے۔

❁❁❁❁

امام ابوحنیفہؒ کا وسیلہ

ابن حجر المکی نے اپنی کتاب ''الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان'' کی پچیسویں فصل میں لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ جب بغداد میں تھے تو امام ابوحنیفہ کا وسیلہ لیا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ ان کی قبر پر جاتے، سلام کرتے، پھر اپنی حاجات پوری کرانے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ لیتے تھے۔

<u>اس روایت کے متن پر غور:</u>

یہ معلوم ہے کہ وسیلہ کہتے ہیں قربت حاصل کرنے کو، اور قربت انہیں چیزوں کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جس کو وہ پسند کرتا ہو جس کی قربت حاصل کی جارہی ہے۔ کیونکہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کے ذریعہ کوئی بھی کسی کو قریب نہیں ہونے دے گا۔

اس اصول کی بنیاد پر سوچئے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی مخلوق کے وسیلہ کو حرام سمجھتے تھے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام اسی عقیدہ کے داعی تھے کہ اللہ کو مخلوق کے واسطے کی ضرورت نہیں اور بارگاہ الٰہی میں ذات مخلوق کا وسیلہ حرام ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے۔ ''کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کو اس کی ذات کے سوا کسی اور کے ذریعہ پکارے، اور میں حرام سمجھتا ہوں کہ کوئی اس طرح دعا کرے'' ''اے اللہ، میں تیرے عرش کی کرسی کی عزت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، یا فلاں کے کے حق کے واسطے سے، یا تیرے انبیاء اور رسولوں اور بیت اکے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

اور حضرت امام شافعیؒ کو امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک اچھی طرح معلوم تھا ایسی صورت میں وہ خود امام صاحب ہی کی ذات کا وسیلہ کیسے لے سکتے تھے؟ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں اللہ اور رسول کی محبت چاہتے تھے۔ جو بات اللہ اور اس کے رسول نے پسند کرلی وہی ان دونوں کو بھی پسند تھی، اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول غضبناک ہوتے تھے، ان سے یہ دونوں بھی غضبناک ہوتے تھے۔ لہٰذا ایسی لغو اور ان کے عقیدہ وایمان کے بالکل صریح مخالف بات کو ان کی طرف منسوب کردینا سخت گناہ اور جرم ہے جن سے یہ دونوں ہی ائمہ امت بری ہیں۔

شیخ دحلان نے ''الدرر السنیہ فی الرد علی الوھابیہ'' میں لکھا ہے کہ جو لوگ مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے قائل نہیں وہ اعمال صالحہ کے وسیلہ کے قائل ہیں حالانکہ اعمال، اعراض ہیں (جو قائم بالذات نہیں بلکہ جوہر کے ساتھ قاہم ہیں) اور ذات عرض سے بہتر ہے علامہ رشید رضا نے اس کا جواب ''صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان'' کے حاشیہ میں دیا ہے کہ ''اعمال صالح کا وسیلہ

،تقرب الٰہی کا وہ مشروع طریقہ ہے جو اجماع اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور امر معقول بھی ہے کیونکہ اعمال صالحہ ،عمل کرنے والے کے نفس کو پاک وصاف کرتے ہیں اور اللہ کی رضا اور دعا کی قبولیت کا اس کو اہل بناتے ہیں لیکن دوسرے کی ذات کو تمہارے نفس کے تزکیہ میں کیا دخل؟ کیونکہ یہ ذات بھی تو خود اپنے ہی عمل سے پاک وصاف ہوئی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس)

اور عمل ہی ذات کو سنوارتا ہے۔اگر عمل نہ ہو تو ذات ذکر کے قابل بھی نہیں ،اور عمل ہی خیر وشر میں ذات کی معرفت کا ذریعہ ہے۔اگر عمل بہتر ہے تو ذات اسی بہتر عمل سے پہچانی جاتی ہے۔اگر عمل برا ہو تو ذات بھی بری مشہور ہوتی ہے۔اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ذات عمل کے تابع ہے۔عمل ذات کے تابع نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام ،اسی طرح صدیقین ،شہداء اور صالحین سب اپنے اعمال صالحہ کی بدولت ہی نیک نام ہوئے۔انہیں اعمالِ عظیمہ ہی سے ان کی ذات مکرم ومعزز ہوئی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (الضحیٰ)

ترجمہ:''اللہ نے آپ کو بھٹکا ہوا پایا تو راہ پر لگایا،،۔

نیز فرمایا۔

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان)

ترجمہ:''کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ نہ کرتا،،۔

معلوم ہوا کہ عمل ہی نے عامل کی ذات کو مقرب بنایا اور عمل عامل سے بہتر ہے۔حضرت علی فرمایا کرتے تھے''لوگوں کو حق سے پہچانو ،حق کو لوگوں سے مت پہچانوں۔حق کی معرفت حاصل کرو تو اہل حق کو پہچان لو گے۔''

ان تفصیلات سے شیخ دحلان کے کلام ودعوی کا فاسد ہونا ثابت ہو گیا۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات